جلد 26 شمارہ 11 ماہ نومبر 2024ء جمادی الاول 1446ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس وغیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران وسرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی** شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: سید محمد عبداللہ بخاری 0301-7705388

معاون مدیر: شہزاد محمود بخاری 0301-7430525

نائب مدیر: سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

شفیق احمد، وحید احمد، پیر خان
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
خالد محمود بخاری
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: **فہد محمود ، محمد ریاض**

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

پیامِ قرآن

وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ۔ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ
الْجِيَادُ۔ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۔
رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحاً بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ۔ (سورۃ ص ۳۸: آیات ۳۳-۳۰)

اور داوٗدؑ کو ہم نے سلیمانؑ (جیسا بیٹا) عطا کیا، بہترین بندہ، کثرت سے اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا، قابل ذکر ہے وہ موقعہ جب شام کے وقت اس کے سامنے خوب سدھے ہوئے گھوڑے پیش کئے گئے تو انہوں نے کہا "میں نے اس مال کی محبت اپنے رب کی یاد کی وجہ سے اختیار کی ہے" یہاں تک کہ جب وہ گھوڑے نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو (اس نے حکم دیا کہ) انہیں میرے پاس لاؤ۔ پھر ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

هَٰذَا ذِكْرٌ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ۔ (سورۃ ص ۳۸: آیت ۴۹)

یہ ایک ذکر تھا اور بے شک متقین کا انجام بہت اچھا ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ
وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ۔ (سورۃ الزمر ۳۹: آیت ۲۳)

اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزاء ہم رنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔ اسے سن کر ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہِ راست پر لے آتا ہے، جسے چاہتا ہے، اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لئے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔

فرمانِ نبوی ﷺ

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

(کتاب اوقات الصلوٰۃ، صحیح بخاری)

راوی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سنا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک رات عشاء کی نماز میں دیر کی جس کے نتیجہ میں لوگ (مسجد میں ہی) سو گئے۔ پھر بیدار ہوئے پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے۔ آخر میں عمر بن خطابؓ اٹھے اور پکارا ''نماز''۔ اس کے بعد نبی ﷺ گھر سے تشریف لائے۔ وہ منظر میری نگاہوں کے سامنے ہے جب کہ آپ ﷺ کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور آپ ﷺ ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میری امت کے لئے مشکل نہ ہو جاتی تو میں انہیں حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو اسی وقت پڑھیں۔

(کتاب اوقات الصلوٰۃ، صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پادتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے تا کہ اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے۔ لیکن جونہی تکبیر شروع ہوئی وہ پھر پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے، جب تکبیر بھی ختم ہو جاتی ہے تو شیطان دوبارہ آ جاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر۔ ان باتوں کی شیطان یاددہانی کراتا ہے جن کا اسے خیال بھی نہ تھا اور اس طرح اس شخص کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ سب وقتوں میں اللہ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

(کتاب الاذان، صحیح بخاری)

خطبہ

سالانہ اجتماع 2024ء

نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیاتہ اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

برادران عزیز! ہم سب پر اللہ رحیم و کریم کا شکر واجب ہے۔جس نے ہمیں ایک سال تک زندہ رکھا، ہمیں صحت دی اور محض اپنی رضا کے حصول کے لیے اکٹھا ہونے کا موقع فراہم کیا۔آپ سب یقیناً خوش قسمت ہیں کہ جو محض اللہ کے لیے مال اور وقت کی قربانی دے کر ،سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے سالانہ اجتماع میں تشریف لائے ہیں۔میں اللہ رحیم و کریم سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ سب کو دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں نصیب فرمائے اور جو بھائی کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکے انہیں بھی اللہ اپنی رحمتوں سے محروم نہ رکھے۔آمین

گزشتہ سال کے دوران ہمارے جو بھائی اس دار فانی سے کوچ کر گئے ان میں

۱: گوجرانوالہ کے بھائی ڈاکٹر احمد رضا خان

۲: فیصل آباد کے بھائی منظور قادر بھٹہ

۳: لاہور کے بزرگ بھائی میاں انور (عصمت انجینئرنگ والے)

۴: گوجرانوالہ کے بزرگ بھائی حاجی بشیر احمد بٹ (وزیر خوراک)
۵)چوک اعظم کے بھائی اصغر علی
۶)تلونڈی موسے خان (گوجرانوالہ) کے بھائی ریاض شاہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ بھی، بھائیوں کے قریبی رشتہ دار، بہن بھائیوں اور والدین میں سے، اللہ کو پیارے ہو گئے۔ان سب کے لیے دعا کریں کہ اللہ ان سب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مراتب سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین۔(دعا)

برادران سلسلہ! سالانہ اجتماعات پر خطبہ ارشاد فرمانے کی روایت بانی سلسلہ انصاری صاحبؒ سے چلتی آ رہی ہے۔سلسلہ توحیدیہ کے پہلے تین اجتماعات میں آپؒ نے خطبہ ارشاد نہیں فرمایا سلسلہ توحیدیہ کے چوتھے اجتماع کے موقع پر آپؒ نے اپنا پہلا خطبہ ارشاد فرمایا۔

بانی سلسلہؒ نے اپنے خطبات جو چراغ راہ کے نام سے چھپتے تھے، میں تصوف کی حقیقت، تصوف کی اقسام، ہمارے معاشرے میں تصوف کے نام پر ہونے والی خرافات، راہ سلوک میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور ان کا حل، تصوف وحکمت کا ماحصل، کامل صوفی کی نشانی اور کامل ہو جانے کے بعد صوفی کا کام جیسے موضوعات پر نہایت سادہ الفاظ میں رہنمائی فرمائی ہے جس سے ایک مبتدی سے لے کر منتہی تک اپنی روحانی الجھنوں کا حل تلاش کرتے ہوئے اپنا سلوک مکمل کر سکتا ہے۔

بانی سلسلہؒ کے بعد ڈار صاحبؒ نے سالانہ اجتماعات پر خطبات ارشاد فرمائے۔ آپؒ نے اپنے خطبات میں ایسے ایسے نادر علمی نکات اجاگر کیے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اپنی ہر بات کو مدلل بنانے کے لیے ڈار صاحبؒ نے اپنے مقالات میں قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مفکر اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے اشعار کا حوالہ جابجا دیا ہے۔

بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ڈار صاحبؒ نے قرآن میں سے سائنسی و علمی نکات کو اپنے خطبات میں صراحت کے ساتھ پیش کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ تا کہ انسان قرآن میں مشاہدہ کائنات کے متعلق دیے گئے احکامات پر عمل کرتے ہوئے، اپنے اردگرد بکھری اللہ کی نشانیوں پر تفکر کرے اور اپنے مالک کی معرفت حاصل کر کے اپنے مقصود حیات میں کامیاب ہو جائے۔

میں بھی اپنے بزرگوں کی سالانہ اجتماع کے موقع پر خطبہ پیش کرنے کی روایت کو قائم رکھے ہوئے ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ جیسے مسلمان وقت گزرنے کے ساتھ قرآن کی تعلیم پر عامل نہ رہے اور حقیقی و عملی اسلام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہی ہو گیا ہے اسی طرح بانی سلسلہؒ کی تعلیمات میں سے بھی کچھ باتیں ہماری نظروں سے پوشیدہ ہو گئی ہیں جس کی وجہ سے ہم عمل میں کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس لیے میں بانی سلسلہؒ کی کتب میں ہی سے ضروری باتیں آپ بھائیوں کو یاد دلاتا اور ذہن نشین کراتا رہتا ہوں۔ آج کا خطبہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے ہماری رہنمائی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جہاں انہوں نے راہ سلوک کے مسافر کے لیے آسانیاں پیدا فرمائی ہیں وہاں آپؒ نے کسی بھی جماعت یا گروہ کی کامیابی، ترقی اور عروج کے لیے درکار اوصاف کو بھی بیان فرمایا ہے۔ کہ جب تک اس جماعت کا ہر فرد ان اوصاف کو اپنے اندر بدرجہ کمال پیدا نہ کر لے وہ جماعت ترقی نہیں کر سکتی۔ آپؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تعمیر ملت" میں نبی مکرم ﷺ کے اصحاب کے مبارک گروہ کی مثال دیتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ کیوں کر انہوں نے مختصر سے وقت میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں اور اللہ کی تائید و نصرت ان کے ہر قدم ساتھ رہی۔

انصاری صاحبؒ فرماتے ہیں۔

یوں تو اُس جماعت کے افراد قرآن کے تمام احکام پر ہی سختی سے عمل کرتے تھے مگر ہم یہاں صرف اُن اُصولوں کا ذکر کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے جماعت بندی کے ذریعہ سے قومی ترقی کے لیے قرآن میں مقرّر فرمائے ہیں، یہ اُصول پانچ ہیں:۔

۱۔ ایمان۔یعنی یقینِ محکم

۲۔ اتحاد۔یعنی باہمی محبت اور اخوت

۳۔ رابطہ۔یعنی تنظیم

۴۔ اطاعت۔یعنی ضابطہ کی پابندی (ڈسپلن)

۵۔ عمل۔یعنی کام کرنے کی بے پناہ قوت اور اس کا استعمال

یہ پانچ باتیں ایسی ہیں کہ جب تک منتشر افراد کے کسی گروہ میں اکٹھی نہ ہو جائیں وہ جماعت کی شکل میں منظم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس قدر کسی جماعت کے افراد اِن اُصولوں پر سختی سے عمل کرتے ہیں اتنی ہی وہ جماعت مضبوط اور طاقتور رہوتی ہے۔ اب ہم اِن اُصولوں کا بیان الگ الگ اور کسی قدر تفصیل سے کرتے ہیں:۔

ایمان:

ہر جماعت کی بُنیاد چند ایسے عقلی، ذہنی، وجدانی یا روحانی نظریات و معتقدات پر قائم ہوتی ہے جن پر اُس جماعت کے ہر فرد کو بدرجۂ مسلمات یقین و وثوق ہوتا ہے۔ یہ یقین و وثوق جس قدر پختہ اور کامل ہو اسی قدر یہ جماعت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوگی، یعنی باقی چار اصولوں پر زیادہ سختی اور پابندی سے عمل کرے گی۔ صحابۂ کبارؓ کی جس جماعت کا ہم نے ذکر کیا ہے اس کا بُنیادی عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، محمدؐ اس

کے بندے اور رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیدا کیا ہے یہ ہدایات وحی کے ذریعے نازل ہوتی ہیں جن کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔اس عقیدے کے بظاہر تین حصے ہیں اللہ، رسولؐ اور قرآن، لیکن اصل اس کی صرف اللہ ہے کیونکہ اسی نے محمدؐ کو پیدا کیا اور اسی نے قرآن نازل فرمایا۔اس لیے اس عقیدے کی اساس اللہ اور صرف اللہ ہے جو ذات و صفات میں ہر لحاظ سے یکتا اور اپنی مخلوق پر ہر طرح قادر ہے۔اسی وجہ سے اس عقیدے کو عقیدۂ توحید کہتے ہیں۔

توحید:

تاریخ شاہد ہے کہ جس قوم نے عقیدۂ توحید اختیار کیا وہ اتنی جلدی ترقّی کر گئی کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔مثال کے طور پر پروٹسٹنٹ فرقے کو لیجیے،عیسائی قوموں کی ترقّی اسی فرقہ کے وجود میں آنے کے بعد شروع ہوئی۔اسی طرح آریہ سماجی فرقے کو دیکھئے جو پچھلی ہی صدی میں پیدا ہوا۔یہ فرقہ ایک خدا کو ماننے کا مدعی ہے۔دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس فرقے کی توحید،اسلامی توحید کے مقابلے میں اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتی جتنی سونے کے مقابلہ میں پیتل،کیونکہ یہ لوگ خدا کو قادرِ قیوم مانتے ہوئے خدا کے ساتھ روح اور مادّے کو بھی ازلی اور ابدی مانتے ہیں۔باوجود ازیں اس نقلی توحید کے عقیدے نے بھی ہزاروں سال کے سوئے ہوئے ہندوؤں کو بیدار کرنے اور ان میں اتحاد و عمل کی روح پھونکنے میں جو مدد دی ہے وہ ان اربابِ نظر و فکر سے پوشیدہ نہیں جنہوں نے ہندوؤں کی موجودہ بیداری کے اسباب پر غور کیا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عقیدے میں وہ کونسی طاقت پوشیدہ ہے جس کی وجہ سے یہ جماعتی اور قومی ترقّی میں اس قدر سریع الاثر اور قوی العمل ثابت ہوتا ہے،تو اس کی کئی وجوہات ہیں۔اوّل تو یہ کہ جو چیز ہمیشہ نظر کے سامنے رہے اُس کی عظمت و وقعت دل

سے جاتی رہتی ہے۔اللہ چونکہ نظر نہیں آتا اس لیے اس کی عظمت کبھی کم نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ جو چیز سامنے رہتی ہے انسان اس کی صفات و عادات اور ماہیت سے رفتہ رفتہ واقف ہو جاتا ہے۔اللہ چونکہ نظر نہیں آتا انسان اس کی ذات وصفات کی حقیقت سے کماحقہٗ کبھی بھی واقف نہیں ہوسکتا، اِس لیے ہمیشہ خوف و رجاء کی حالت میں رہتا ہے جس کی وجہ سے نہ تو بے پرواہ ہونے پاتا ہے نہ ناامید۔تیسرے یہ کہ اللہ کو ماننے والا جانتا ہے کہ کفار و مشرکین کے معبودانِ باطل بھی اللہ ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں اس لیے وہ نہ تو ان معبودوں سے ڈرتا ہے نہ ان کے ماننے والوں سے اور بدیں وجہ ان کے مقابلہ میں ہمیشہ زبردست رہتا ہے۔چوتھے یہ کہ مومن چونکہ سوائے اللہ کے نہ تو کسی کے آگے سر جھکاتا ہے نہ کسی سے مدد کی امید رکھتا ہے، اِس لیے اس کی ذہنیت کبھی غلامانہ نہیں ہوسکتی۔پانچویں یہ کہ اللہ کو ماننے والوں کی قوتِ عمل کبھی کم یا مفقود نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ خود آکر کسی کا کام نہیں کرتا بلکہ صرف عمل کرنے والوں کی نصرت و مدد فرماتا ہے، اِس لیے وہ اس کی نصرت کی امید پر مصروفِ عمل رہتے ہیں اور اپنی کامیابی پر ہمیشہ یقین رکھتے ہیں۔برخلاف ازیں جو لوگ ''اربابٌ من دون اللہ'' مثلاً پیروں، فقیروں وغیرہ کو مانتے ہیں وہ چونکہ ان کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود دیکھتے ہیں، اِس لیے خود عمل نہیں کرتے بلکہ یہ سمجھ کر بے فکر ہو جاتے ہیں کہ پیر صاحب کے تعویذ گنڈے یا دعا سے خود ہی سب کام ہو جائیں گے، ہم کو مشقت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔اس طرح ان کی قوتِ عمل بالکل جاتی رہتی ہے۔چھٹا سبب روحانی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والوں کے قلب میں ایک ایسی حرارت اور برقی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس کے جوش میں وہ بڑی سے بڑی مشقت اور مصیبت کو بھی ہنستے کھیلتے برداشت کر لیتے ہیں اور کبھی تھکتے نہیں۔ساتویں یہ کہ ان مومنوں کو چونکہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم اللہ کے حکموں

پر عمل کرتے رہے تو اس دُنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور اُس جہان میں بھی ہم کو اچھی سے اچھی جنتیں اور لازوال نعمتیں میسّر آئیں گی، اس لیے وہ اُس کے راستے میں کسی ایثار و قربانی سے منہ نہیں موڑتے۔ وہ اپنے مال و دولت کی آخری کوڑی صرف کرتے وقت بھی یہ نہیں سوچتے کہ کل کھانے کو کہاں سے آئے گا۔ مال و دولت کا تو ذکر ہی کیا جان بھی دینی پڑے تو اس خوشی سے دیتے ہیں گویا پردیس سے اپنے وطن کو جا رہے ہیں۔ برخلاف ازیں جن لوگوں کے نظریات وعقائد کی بُنیاد ایسی ہستیاں ہوں جن کے عیوب ونقائص عقلاً ثابت ہو سکتے ہوں یا جن کی شکست وریخت آنکھوں سے نظر آ سکتی ہو، اُن پر جب اپنے معبودوں کے نقائص ظاہر یا ثابت ہو جائیں یا جب وہ بچشمِ خود اُن کو فنا ہوتے دیکھ لیں تو ان کا عقیدہ کسی طرح قائم نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ جب کبھی ایسا کوئی واقعہ پیش آئے تو ان لوگوں کا یقین ختم اور اجتماعی قوّت فنا ہو جاتی ہے۔ توحید پرست مسلمانوں کو جب بھی بُت پرست اور مشرک اقوام سے واسطہ پڑا یہی نتیجہ نکلا۔ ہندوستان میں مسلمان حملہ آوروں کی مٹھی بھر فوجوں نے ہندوؤں کے لاتعداد لشکروں کو کیوں شکستیں دیں۔ محض اس وجہ سے کہ دہلی، متھرا، کانگڑہ اور سومنات وغیرہ میں اپنے معبودوں کو تباہ ہوتے دیکھ کر اُن کا بُنیادی عقیدہ فنا اور ان کی اجتماعی قوّت ختم ہو چکی تھی۔ جب تک مسلمانوں میں توحید پرستی باقی رہی وہ کہیں اور کبھی مغلوب نہ ہوئے لیکن جیسے جیسے یہ ایمان کم ہوا وہ بھی کمزور ہوتے گئے اور جب توحید پرستی کی جگہ ان میں اشخاص پرستی، پیر پرستی، قبر پرستی، تعزیہ پرستی، زر پرستی، حُکام پرستی اور دیگر پرستیاں پیدا ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور پستی و ذلت کے اس غار میں چھوڑ دیا جہاں پڑے ہوئے وہ آج اغیار کا منہ تک رہے ہیں۔ بہر حال یہ تو تھی محض ایک نفسیاتی توجیہہ۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ پر واقعی یقینِ کامل ہوتا ہے وہ یقیناً اس کی محبت اور شفقت کو دل سے محسوس

کرتے اوراس کی امداد ونصرت کو آنکھوں سے نازل ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کیسی ہی مصیبتیں پڑیں اُن کے پائے استقلال کو لغزش نہیں ہوتی۔وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ مصائب اُن کو تکلیف دینے کے لیے نہیں بلکہ اُن کے کردار کو پختہ اور کامل بنا کر اپنی نعمتوں کا اتمام کرنے کے لیے نازل فرماتا ہے۔اس ایمان کی وجہ سے ان کے دلوں میں اطمینان ومسرت کے وہ سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہیں جن کے سامنے دُنیا کے تمام مصائب وآلام پرکاہ جتنی بھی وقعت نہیں رکھتے۔

الغرض یہ ہے وہ یقینِ محکم اور ایمانِ کامل جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی ترقّی کا باعث ہوا اور آج بھی اگر اکثریت میں نہیں صرف دس پندرہ فیصدی مسلمانوں میں پیدا ہو جائے تو پھر اسی ترقّی کا باعث ہوگا۔یہ ایمان کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟اس کا بیان آگے مناسب موقعہ پر کیا جائے گا،اب اجتماعی قوّت کے دوسرے اُصول یعنی اتّحاد کا بیان سنئے:۔

اتّحاد:

جماعتی قوّت کے لیے اتّحاد بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایمان۔تاریخِ عالم گواہ ہے کہ کوئی جماعت یا قوم اس وقت تک تباہ نہ ہوسکی جب تک اس میں اتّحاد باقی رہا اور کوئی جماعت یا قوم تباہی سے بچ نہ سکی جب اس میں نااتفاقی اور پھوٹ پیدا ہوگئی۔قوموں کی بقا اور فنا کا یہ قانون اٹل ہے۔اس میں نہ کبھی تبدیلی ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔

اتّحاد کیا ہے؟جماعت یا قوم کے افراد میں اس قدر محبت واخوت اور قلبی تعلق کا موجود ہونا کہ اگر ایک فرد کو دُنیا میں کسی جگہ کوئی تکلیف پہنچے تو جماعت کے باقی تمام افراد خواہ کہیں بھی ہوں اپنی اپنی جگہ پر محسوس کریں کہ یہ تکلیف خود انہی کو پہنچی ہے۔رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ’’تمام مسلمان ایک جسد کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ یا سر میں تکلیف ہو تو تمام جسم بے

چین ہو جاتا ہے‘‘۔ایک اور حدیث میں ہے کہ ’’اگر ایک عضو کو تکلیف ہو تو تمام بدن میں بیداری اور حرارت پیدا ہو جاتی ہے‘‘ اس حدیث میں بیداری اور حرارت کے حکیمانہ الفاظ خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ان کا مطلب یہ ہے کہ تمام بدن اس تکلیف کی مدافعت کے لیے تیار ہو کر عمل کرنے لگتا ہے۔مسلمانوں میں اس درجے کا اتحاد صدیاں گزریں ختم ہو چکا ہے۔ اسپین کی سلطنت تباہ ہوتی رہی، سلطنتِ عباسیہ بیٹھی دیکھتی رہی۔سلطنتِ عباسیہ پر زوال آیا لیکن کسی کا قدم مدد کے لیے نہ اٹھا۔ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ دم توڑتی رہی، ایران اور ترکی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔وہ شیر بیشۂ وفا یعنی سلطان ٹیپو انگریزوں اور خود اپنے غدّار بھائیوں کے ہاتھ سے چرکے پر چرکے کھاتا اور مدد کے لیے چلاتا رہا کسی مسلمان طاقت نے مرہم کی ایک ڈبیا اس کو نہ بھیجی۔نتیجہ یہ ہوا کہ آخر میں جب ترکی انگریزوں کے ہاتھوں قتل ہو رہا تھا تو عالمِ اسلام میں کوئی طاقت بھی ایسی نہ تھی جو مدد کرتی۔حقیقت یہ ہے کہ جس جماعت کے افراد میں دوسرے بھائیوں کی تکلیف کا احساس نہ ہو وہ ہرگز جماعت کہلانے کی مستحق نہیں، وہ تو بھیڑ بکریوں کا ایک گلّہ ہے کہ قصائی جس کو چاہے ذبح کر دے، دوسری کھڑی منہ تکتی رہتی ہیں۔قرونِ اولیٰ میں یہ بات نہ تھی۔اس وقت ایک مسلمان کو تکلیف پہنچتی تو ساری دنیائے اسلام بے کل ہو کر انتقام اور مدافعت پر آمادہ ہو جاتی تھی۔خلیفہ عبدالملک نے سندھ پر حملہ محض اِس لیے کیا تھا کہ وہاں کچھ مسلمانوں پر ظلم ہوا تھا جن میں ایک مسلمان لڑکی بھی تھی۔ اِس لڑکی نے خلیفہ کی دہائی دی۔ایک مسلمان جو وہاں قید تھا، سن رہا تھا۔اتفاق سے وہ کسی طرح بچ کر بھاگ نکلا اور دمشق پہنچ کر یہ خبر دی۔خلیفہ نے سنا تو لڑکی کی دادرسی کے لیے فوراً فوج کشی کر دی اور سندھ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ایک دفعہ ایران میں کسی نے ایک انگریز سپاہی کو مار ڈالا تو برطانیہ کی ساری پبلک بے چین ہو گئی اور حکومت برطانیہ نے جنگی جہاز

وں کا ایک پورا بیڑہ ایران کا سر کچلنے کے لیے خلیج فارس میں جمع کر دیا۔ یہ ہے وہ بات کہ ایک عضو کو تکلیف پہنچے تو تمام بدن بیدار اور مدافعت کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔بات یہ ہے کہ جس جماعت میں یہ روح پیدا ہو جاتی ہے اس کا کوئی فرد کہیں اور کبھی بھی اپنے آپ کو اکیلا اور بے کس و بے بس نہیں سمجھتا، بلکہ پوری جماعت کی مدد اور پشت پناہی پر یقینِ محکم رکھتا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ جماعت کے ہر فرد میں ہر وقت پوری جماعت کی طاقت موجود رہتی ہے۔

قرآن میں اتحاد اور اخوت و محبت کے لیے بھی ایسے ہی قطعی احکام موجود ہیں جیسے کہ نماز، روزے اور دوسری عبادتوں کے لیے، لیکن جس قدر بے اعتنائی اِن احکامات سے برتی جاتی ہے شاید اور کسی حکم سے نہیں برتی جاتی۔ اگر یہ بے اعتنائی صرف عوام ہی تک محدود ہوتی تب بھی صبر آ جاتا۔ رونا تو یہ ہے کہ پڑھے لکھے اور قرآن کو خوب اچھی طرح سمجھنے والے بزرگ عوام سے کہیں زیادہ اتحاد و اخوت کی جڑوں پر کلہاڑے چلاتے تفرقہ ڈلواتے اور فرقہ بندی کی آگ کو ہر وقت ہوا دیتے رہتے ہیں۔ اب تیسرے اُصول کا بیان سُنئے:۔

رابطہ:

اجتماعی طاقت اور جماعت کی شیرازہ بندی کے لیے تیسری ضروری چیز رابطہ یا تنظیم ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(آل عمران:۲۰۰)

یعنی ''اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر دلاؤ اور باہم ملے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو شاید تم اپنی مراد کو پہنچو۔''

رابطے کے یہ معنی ہیں کہ جماعت کے تمام ٹکڑوں اور حصوں میں باہمی تعلق اور تعاونِ عمل

بدرجۂ اتم موجود رہے اور کوئی حصّہ کسی دوسرے حصّہ کی حالت سے کسی وقت بھی بے خبر نہ ہونے پائے۔بات یہ ہے کہ نوع انسانی اپنے جذبات وکوائف اور ضروریات وحوائج میں متنوع الخلقت واقع ہوئی ہے،اس لیے ہر جماعت یا قوم میں مختلف گروہ یا طبقے پیدا ہو جاتے ہیں جو مختلف پیشے اور فن اختیار کر لیتے ہیں۔ان میں سے ہر طبقہ دوسرے طبقے کی مدد کا محتاج اور اپنے پیشے یا فن کے لحاظ سے پوری قوم کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے۔بدیں وجہ اگر ان طبقات میں باہمی ارتباط اور تعاونِ عمل نہ ہو تو پوری قوم کے نظام میں خلل آ جاتا ہے اور اس کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔اس لیے ہر طاقتور جماعت میں تنظیم کا مکمل ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا یقینِ محکم اور اتحاد کا۔

بہر حال جہاں ہو اور جب بھی ہو، تنظیم کا کمال یہ ہے کہ پوری قوم میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جسے کوئی تکلیف یا حاجت ہو اور حکومت یا معاشرہ اس سے بے خبر رہے اور اس کا مداوا نہ کر سکے۔اب ہم جماعت بندی کے چوتھے اُصول یعنی اطاعت کا ذکر کرتے ہیں:۔

اطاعت:

اطاعت کے معنی ہیں فرمانبرداری اور حکم ماننے کے۔جس طرح ایک بچے اور ایک فرد کی اصلاح وتربیت اِس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے ماں باپ، اُستاد یا اتالیق کا حکم نہ مانے،اِسی طرح ایک جماعت یا قوم کی تنظیم بھی اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا ہر فرد اپنے قائدوں اور رہنماؤں کے ہر حکم اور ہدایت پر آنکھ بند کر کے بے چون وچرا عمل نہ کرے۔فرض کیجئے میدان جنگ میں ایک جماعت مصروفِ کارزار ہے اور اس کا جنرل اپنے ماتحت افسروں کے ذریعہ احکام دے رہا ہے کہ آگے بڑھ جاؤ، دہنے فلینک پر حملہ کرو، اب بائیں طرف ہلّہ بول دو، اب آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ آؤ وغیرہ وغیرہ۔اب غور کیجئے کہ اگر تمام

افسر اور سپاہی اس کے حکموں پر بے چون و چرا اور پوری طرح عمل نہ کریں، آگے بڑھنے کا حکم ملے تو پیچھے ہٹ آئیں یا وہیں ٹھہرے رہیں۔ پیچھے ہٹنے کو کہا جائے تو بڑھ جائیں، داہنے کے بجائے بائیں اور بائیں کے بجائے داہنی طرف حملہ کردیں تو اس جماعت یا فوج کا حشر کیا ہوگا بالکل یہی حال ایک قوم کا ہے۔ جتنا کسی قوم کے افراد اپنے مذہبی اور ملکی قوانین و احکام پر عمل کریں گے، اتنی ہی وہ قوم ترقی کرے گی۔ جتنی بے پروائی برتیں گے اتنا ہی زوال ہوگا۔ قائدین کے احکام پر سختی سے متحد العمل رہنا ہی قومی اتحاد وترقی کی ضمانت ہے۔ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی، رسولؐ کی اور اپنے اُن صاحبانِ امر کی جو تم پر مامور ہیں۔ یہی نہیں، ایک جگہ تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرمانبرداری ہی دین ہے، اس لیے ہر مسلمان کو اپنی اپنی جگہ یہ محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ وہ کہاں تک اللہ کے اِن احکام پر عمل کرتا ہے۔

اطاعت صرف یہ نہیں ہے کہ تم کو جو حکم وقتاً فوقتاً دیئے جائیں اُن پر فوری عمل کرو بلکہ اطاعت یہ بھی ہے کہ تمہارے لیے جو احکام یا ہدایات مستقلاً عمل کرنے کی غرض سے لکھ کر ایک جگہ جمع اور شائع کردی جائیں، اِن پر بھی ہمیشہ عمل کرتے رہو۔ مثلاً قرآن، صحیح احادیث، تمہارے مُلک کا آئین وقانون، بلدیات کے قواعد و بائی لاز، دفتروں کے کنڈکٹ رولز اور دوسرے قواعد وضوابط وغیرہ وغیرہ۔ اگر تم اِن تمام قواعد وضوابط اور احکام وقوانین پر کماحقہٗ عمل کرتے رہو گے تو تمہارے افراد کے افکار وتخیلات میں ہمیشہ وحدت وہم آہنگی رہے گی۔ تمہارا اتحاد مضبوط سے مضبوط تر اور تمہاری جماعت قوی سے قوی تر ہوتی چلی جائے گی۔ آج کل کی اصطلاح میں اسی بات کو ڈسپلن کہا جاتا ہے۔

یہ اطاعت وفرمانبرداری یا ڈسپلن کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ قوم کی شیرازہ بندی اور اس میں

وحدتِ فکر و عمل پیدا کرنے کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ ایک فرد کی زندگی اور صحت کو برقرار اور اعتدال پر رکھنے کے لیے قلب کی باقاعدہ حرکت۔ اگر آپ کو اطاعت کی واقعی قدر و قیمت معلوم کرنا ہو تو اعلیٰ درجے کی باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوجوں میں جا کر دیکھیں۔ ان فوجیوں میں افسروں سے لے کر سپاہیوں تک سب کا اُٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بولنا چالنا، کھانا پینا الغرض ہر چیز کا انداز و نہج اس قدر ملتا جلتا ہے کہ سب ایک ہی سانچے کے ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ یہیں جماعت اور اجتماعیت کے حقیقی معنی معلوم ہوتے ہیں۔ ان فوجیوں کو حکم ماننے کی اس قدر مشق اور عادت ہو جاتی ہے کہ آرڈر ملتے ہی بغیر سوچے عمل کر گزرتے ہیں۔ ہم نے فوجی چھاؤنیوں میں کئی مرتبہ دیکھا کہ ایک سپاہی ہاتھ میں دودھ کا گلاس لیے جا رہا ہے اور پیچھے سے کسی دوست نے مذاقاً اٹین شن کا حکم دے دیا۔ جانے والے سپاہی کے دونوں ہاتھ فوراً رانوں سے لگ گئے اور دودھ کا گلاس ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا اس ڈسپلن کی مشق پریڈ کے میدان میں ریکروٹی کے زمانہ ہی سے کرائی جاتی ہے اور ٹیکنیکل تعلیم و تربیت سے پہلے ہی یہ چیز پکی کرا دی جاتی ہے۔ پھر وہ اس میں اس قدر پختہ ہو جاتے ہیں کہ میدان جنگ میں جب ان کو ''ایڈوانس'' کا حکم ملتا ہے تو سامنے خواہ گولوں اور گولیوں کا مینہ ہی کیوں نہ برس رہا ہو یہ حکم کے تابعدار بندے بغیر سوچے اور غور کیے اس آگ کے دریا میں کود پڑتے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی قرآن میں اسی قسم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ کیا ہمارے لیے اس میں عبرت کا کوئی سبق نہیں کہ یہ فوجی سپاہی اور افسر جن کو ماہوار چاندی کی چند ٹکلیاں ملتی ہیں اس بے جگری سے جان دے دیتے ہیں اور حکم عدولی نہیں کرتے اور ہم جن کو ہمارے خالق و مالک نے جان، عقل، بیوی بچے، علم و دانش، صحت اور تمام عمر کا رزق عطا فرمایا ہے اس کے حکم کی اتنی بھی پرواہ نہیں کرتے جتنی کہ یہ فوجی اپنے بالا دست افسروں کے

حکم کی کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ جس طرح قرنِ اوّل کے مسلمان اللہ اور رسولؐ کے حکم کی تعمیل میں اپنے دین وملّت کی حفاظت کے لیے لڑا کرتے تھے، اسی طرح اب سے کچھ عرصہ پہلے تک انگریزی فوجیں اپنے بادشاہ، وطن اور قوم کے لیے لڑتی رہیں، لیکن اب نصف صدی سے یہ جذبہ ان میں سے جاتا رہا ہے۔ اب انگریزی فوجیں صرف ڈسپلن کے بل بوتے پر جنگ کرتی ہیں اور کامیاب ہوتی ہیں۔ جس دن یہ ڈسپلن رُخصت ہوا، انگریزی اقتدار کے تابوت میں آخری کیل ٹھک جائے گی۔ ڈسپلن صرف مذہبی وملکی آئین وقوانین اور فوجی و دفتری قواعد وضوابط ہی کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کے ہر شعبہ مثلاً تجارت، زراعت، صنعت وحرفت اور خانگی امور کو کامیابی سے انجام دینے کے لیے بھی کچھ کم ضروری نہیں ہے۔ ان امور و معاملات میں ڈسپلن یہ ہے کہ ہر شخص مقررہ قواعد وضوابط اخلاق وغیرہ کا پوری طرح پابند رہے، اپنے اختیار و حقوق کی حدود میں کام کرے، ان سے باہر نہ نکلے، دوسروں کے کاموں میں بلا وجہ دخل نہ دے اور اپنے فرائض کو کماحقہٗ ادا کرے۔ گھریلو زندگی میں ڈسپلن کی بہت ہی ضرورت ہے۔ خاوند، بیوی، بچے، ملازم اور دوسرے مکین اپنے اپنے حقوق کی حدوں سے خوب واقف ہوں اور اپنے فرائض کو کماحقہٗ انجام دیں۔ جس چیز کو قرینہ اور سلیقہ کہتے ہیں وہ بھی ڈسپلن (یعنی قواعد وضوابط کی پابندی) ہی سے حاصل ہوتا ہے اور قائم رہتا ہے۔

یعنی گھر میں جو چیز جس کام کے لیے ہو اسی کے لیے استعمال کی جائے، ہر چیز کی جو جگہ ہے وہیں رکھی جائے۔ جس شخص کی جو چیز ہو، اس کی اجازت کے بغیر استعمال نہ کی جائے اور جو کام جس طرح اور جس وقت ہونا چاہیے ٹھیک اسی طرح اور اسی وقت کیا جائے۔ ممکن ہے بعض آدمیوں کو یہ باتیں بہت معمولی نظر آئیں لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اطاعت کی

بُنیاد بچپن ہی سے پڑتی ہےاور بچے جیسا کچھ گھر میں ہوتا دیکھتے ہیں وہی سیکھتے ہیں، اس لیے خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے اور بچوں کو اچھا شہری اور پکا اطاعت گزار اٹھانے کے لیے گھر کی ہر بات میں قواعد وضوابط کی پابندی کا خیال رکھنا اور اس کو قوت سے عمل میں لانا بہت ہی اہم بات ہے، اسے معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔

فوجی ڈسپلن کی ابتدا بھی ایک بہت معمولی سی بات یعنی صرف حکم پر داہنا اور بایاں پاؤں اٹھانے اور اپنے ساتھیوں سے قدم ملا کر چلنے سے پڑتی ہے مگر آخر میں اس سے کس قدر مہتم بالشان نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ اب ہم پانچویں اُصول یعنی عمل کا بیان کرتے ہیں۔

عمل:

پانچویں چیز جس سے جماعت کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور افراد کو اجتماعیت کے فوائد واقعی حاصل ہوتے ہیں ''عمل'' ہے۔ جماعت کے لیے عمل بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک زندہ جسم کے لیے حرکت۔ اگر کوئی جاندار پیدا ہونے سے مرنے تک کوئی حرکت نہ کرے، ہمیشہ بے حس وحرکت ایک ہی حالت میں پڑا رہے تو خواہ اس کی عمر ہزاروں برس ہی کیوں نہ ہو اس پر ''زندہ'' کا لفظ صادق نہیں آ سکتا۔ قرآن میں سُستی، کاہلی اور بے عملی کی سخت مذمت کی گئی ہے، اِس لیے صحابہؓ کبار ان چیزوں کو پاس بھی نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ صحابہ کے بعد بھی کئی سو برس تک مسلمانوں میں قوتِ عمل خاصی تھی۔ جب تک یہ قوت ان میں باقی رہی وہ زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں سے کہیں آگے رہے۔ جب یہ قوت ختم ہوئی وہ کھڑے ہو گئے اور دوسری قومیں آگے نکل گئیں۔ عمل کی قوت کو کام میں لانے کے لیے کسی مقصد اور مہیج کی ضرورت ناگزیر ہے بغیر اس کے کوئی جسم حرکت نہیں کرتا۔ کیڑے مکوڑے، پرندے اور دوسرے تمام جانور خوراک حاصل کرنے اور گرمی سردی کی تکلیف سے بچنے کے لیے متحرک اور مصروفِ عمل

رہتے ہیں۔انسانی اجسام کومتحرک رکھنے کے لیےبھی اصلاً یہی چیزیں مہیج کا کام دیتی ہیں، لیکن اس کے مقاصد و عزائم صرف یہیں تک محدود نہیں رہتے، اس کی اور بھی بہت سی خواہشات ہیں جو جانوروں میں نہیں۔انسان بالفطرت آرام و آسائش کی کسی حالت پر بھی مطمئن نہیں رہتااور ہمیشہ بہتر سے بہترین اور اعلیٰ سے اعلیٰ ترین حالت کی طرف بڑھنا چاہتا ہے یہی خواہش اس کو ہمیشہ مصروفِ عمل رکھتی اور ارتقائے تمدّن کے اعلیٰ مدارج کی طرف چلاتی رہتی ہے۔انسانوں کی جو جماعت اپنی حالت پر قانع ہو کر عمل سے دستکش ہو جاتی ہے وہی پسماندہ کہلاتی ہے۔یہی خواہش انسان کے موجودہ معیارِ تمدّن تک پہنچنے کی وجہ ہےاور خدا ہی جانے کہ وہ ابھی کہاں پہنچ کر دم لے گا یا شاید قیامت تک کہیں دم ہی نہ لے۔کھانے پینے، کپڑے لتے اور مکانات کے علاوہ انسان میں ایک اور فطرتی خواہش بھی ہے، یعنی وہ اپنی اصل کو معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ جاننا چاہتا ہے کہ پیدا ہونے سے پہلے میں کیا تھا؟ کن حالات میں سے گزرنے کے بعد پیدا ہوا؟ یہ مادّہ اور روح کیا چیز ہے؟ موت کیا ہے؟ مرنے کے بعد مجھے کہاں جانا ہے؟ اس عالم کو پیدا کرنے والا کوئی ہے بھی یا نہیں ہے؟ ہے تو کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔جو قومیں ان سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لیے تفکّر سے کام لیتی اور مصروفِ عمل رہتی ہیں، اُن کو حیاتِ نو عطا ہوتی رہتی ہے، کیونکہ جہاں تک روٹی کپڑے اور مکان کا سوال ہے، انسان اپنی کوششوں سے جلد ہی اس حد تک پہنچ سکتا ہے جہاں اسے مزید عمل کی ضرورت محسوس نہ ہو اور وہ اپنی نادانستگی، جہالت یا تن آسانی کی وجہ سے قانع ہو کر بیٹھ جائے اور عمل کرنا چھوڑ دے، لیکن جہاں تک مبداء اور معاد کے متعلق تسکین کا سوال ہے یہ تشنگی کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتی اور وہ ہمیشہ مصروفِ عمل رہ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن میں مسلمانوں کو دونوں باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔

فرماتے ہیں ”اس زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی رزق تلاش کرو۔“ ارشاد ہوتا ہے کہ ”اپنا دُنیا کا حصہ حاصل کیے بغیر دم نہ لو۔“ کہتے ہیں کہ ہم سے یوں مانگا کرو ”اے ہمارے رب ہم کو دُنیا اور آخرت دونوں کی نعمتیں عطا فرما۔“ مبداء اور معاد کی گتھیاں سلجھانے کے لیے قرآن میں سینکڑوں جگہ ارشاد ہوا ہے کہ ہماری نشانیوں میں غور وفکر کیا کرو۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے ”دنیا میں سفر کرو اور معلوم کرو کہ آفرینش کی ابتدا کیونکر ہوئی؟“ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات اور چھوٹی سی آیت ہے لیکن اسی ایک سوال کا جواب معلوم کرنے کی کوششوں سے بیسیوں علوم وجود میں آ گئے، مثلاً علمِ طبقات الارض، علمِ نباتات، علمِ حیوانات، علمِ الحیات، جغرافیہ، تاریخ، علمِ طب، علمِ ہیئت، فزکس اور کیمسٹری وغیرہ وغیرہ، اور یہی وہ علوم ہیں کہ جو قومیں اُن کو حاصل کرتی ہیں خدائی انعامات ونوازشات سے مالا مال ہو جاتی ہیں۔ ان علوم کی تحصیل کا حکم دینے میں مصلحت یہ ہے کہ ان کی کوئی انتہا نہیں اور انسان اس بہانے سے ہمیشہ عمل میں مصروف رہ کر ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو مصروفِ عمل رکھنے کے لیے خدا نے کیا نہیں کہا، سارا قرآن ”عمل کرو“، ”عمل کرو“، ”مناسب عمل کرو“ کے الفاظ سے بھرا پڑا ہے۔ کسب معاش، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تبلیغ اور تفکر فی آیات اللہ کے احکام اگر قوتِ عمل کو بیدار کرنے، متحرک رکھنے کے لیے نہیں تو پھر کس لیے ہیں؟ مگر افسوس کہ جس قدر زیادہ قرآن میں عمل پر زور دیا گیا ہے اسی قدر ہم نکلے، سست، بیکار اور بے عمل ہیں۔

یہ تھیں بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی ہمارے لیے بحیثیت جماعت ہدایات:

برادران سلسلہ! ہمارا یہ دعویٰ ہے اور بالکل بجا ہے کہ ہماری تعلیم وتربیت صحابہ کبارؓ کے انداز اور نہج پر ہوئی ہے۔ جس طرح اللہ کے حبیب ﷺ کے اصحاب نے اسلام کی تعلیمات پر سو فیصد عمل کر کے نہ صرف ترقی وعروج حاصل کیا بلکہ دنیا کی قیادت وسیادت بھی

حاصل کر لی۔ اگر ہم بھی بحیثیت جماعت سلسلہ عالیہ توحیدیہ اپنے مقاصد اور مشن میں جلد از جلد کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں بھی حضور اکرم ﷺ کے صحابہ جیسا اللہ پر ایمان اور توکل رکھنا پڑے گا۔ اللہ کے علاوہ تمام تر خوف دلوں سے نکالنے ہوں گے اور اس بات پر پختہ یقین قائم کرنا ہوگا کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سنوار سکتا ہے۔

بحیثیت جماعت آپس میں ویسا ہی اتحاد و یگانگت پیدا کرنا ہوگی جیسا حضور نبی مکرم ﷺ کے اصحاب میں تھی۔ اللہ کے حبیب ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب جذبہ اخوت ومحبت سے سرشار تھے اور باہم مربوط ومضبوط تھے۔ اسی لیے میں اکثر آپ لوگوں کے گوش گزار کرتا رہتا ہوں کے آپس میں میل جول بڑھائیں، آپس میں خوب پیار کریں اور دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں۔

صحابہ کبار کا جذبہ اطاعت وفرمانبرداری بھی مثالی تھا جب تک ہم بھی اپنے اندر اطاعت وفرمانبراری کا وہی جذبہ پیدا نہیں کر لیتے بحیثیت جماعت ہم کبھی بھی نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ ہی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہم مسلمان ہو کر اور پھر خاص طور پر بیعت ہونے کے بعد (اللہ سے عہد کر کے)اللہ کے سامنے بک جاتے ہیں۔ پھر نہ ہماری جان پہ اپنا حق رہتا ہے نہ ہی مال پر۔ مسلمان کی حیثیت اللہ کے لیے ایک غلام کی سی ہوتی ہے جس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی وہ صرف اپنے مالک کی خواہش ورضا کے تابع ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

ادخلو فی السلم کافۃ (اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ یعنی مکمل اطاعت اختیار کرو، جزوی نہیں)

ہمیں بھی خود کو مکمل طور پر اس سانچے میں ڈھالنا ہو گا۔ بانی سلسلہؒ نے

"طریقت توحیدیہ" میں بھی اطاعت پر زور دیا ہے اور پھر بیعت نامہ میں بھی یہ درج ہے کہ

مرشد کے ہر حکم کی تعمیل بے چون و چرا، خوشی اور تن دہی سے کروں گا خواہ اس کے مصالح اور منافع میری سمجھ سے بالاتر ہی کیوں نہ ہوں۔

موجودہ زمانے میں بانی سلسلہؒ نے جس قدر سستی و کاہلی کی مذمت اور عمل کرنے پر زور دیا ہے شاید ہی کسی نے دیا ہو۔ آپ کے نزدیک حرکت یعنی عمل زندگی ہے اور بے عملی موت۔ صحابہ کبار کی جماعت سراپا عمل تھے۔ ہر لحظہ سراپا عمل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے نہایت مختصر وقت میں نہ صرف آدھی دنیا کے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلائی بلکہ ان معاشروں میں اسلامی معاشرت رائج کر دی۔ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کی سیرت طیبہ کا جائزہ لیں تو اعلان نبوت کے بعد کی 23 سالہ زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ ایک طرف اللہ کے دین کی تبلیغ و اشاعت دوسری طرف کفار کے لشکر سے نبرد آزما ہیں۔ ایک طرف اپنے اہل وعیال کے حقوق پورے کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف لوگوں میں بطور منصف بھی اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کر رہے ہیں۔ گویا حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ جہد مسلسل کی غمازی کر رہا ہے۔ کسی بھی فرد یا جماعت کی کامیابی کے لیے اس طرح کی کوشش و جانفشانی درکار ہوتی ہے۔ تبھی انقلاب برپا ہوتے ہیں۔

؎ تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

کہ تو گفتار، وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارہ

برادران سلسلہ! ہمارے سامنے بھی بانی سلسلہؒ نے ایک بڑا کام رکھا ہے۔ وہ عظیم کام انہی کی زبانی سن لیجیے۔ آپؒ چراغ راہ خطبہ نمبر 9 میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"برادرانِ سلسلہ! آپ کے سامنے ایک بہت بڑا کام ہے اس کو معمولی کام نہ سمجھیے

۔یہ کام لوگوں کے مشرکانہ عقائد کی اصلاح کا کام ہے اور ہر انسان اپنے عقائد کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی جان کا دشمن ہو جاتا ہے۔آپ کو صرف عقائد ہی کی اصلاح نہیں کرنی بلکہ ان بے ہودہ وفرسودہ رسوم کو بھی مٹانا ہے جو ہمارے معاشرہ کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔''

اس لیے ہمیں چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے مرشدؒ کے سامنے سرخرو ہونے کے لیے عمل کے میدان میں اتریں۔سلسلے کی تعلیمات پُر جوش اور مستقل مزاجی سے عمل کرتے ہوئے اسے دوسروں تک پہنچائیں۔

آیئے! اب اللہ جو کہ ہمارا رحیم و کریم آقا و مولا ہے اس سے دعا کریں کہ وہ سلسلہ توحیدیہ کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے،

ہمیں آپس میں پیار کرنے والا اور اپنے حلقے سے پیار کرنے والا بنائے،ہمیں اپنے قرب کی بلندترین منازل نصیب فرمائے۔مسلمانوں کو کفار و مشرکین کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے اور ہمیں اس ذلت وخواری سے جلد از جلد نجات عطا فرمائے۔آمین!

خادم الفقراء

محمد یعقوب توحیدی

مرکز تعمیر ملت، گوجرانوالہ

مورخہ 26-10-2024

ندائے عارف

(فرمودات شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد یعقوب صاحب توحیدی مدظلہٗ)

(ماجد محمود توحیدی)

☆ ہم نے ہمیشہ ہر حال میں سچ کا ساتھ دینا ہے یہ یاد رکھیں۔ جہاں آپس میں ہمارا تنازعہ ہو جائے کسی لین دین کی یا کسی میل ملاپ کی وجہ سے تو وہاں بھی ہم سچائی کا ساتھ دیں گے لیکن ہماری ترجیح ایسی ہونی چاہئے کہ ہمارا جھکاؤ اللہ کی طرف ہو، ہمارے بھائی جو ہیں ہم ان کے زیادہ قریب ہوں، جو مسلمان ہوں۔ باقی ہم جان بوجھ کے لڑائیاں کرنے اور فساد پھیلانے کے قائل نہ ہیں، نہ تھے۔ یہ یاد رکھیں۔ ہم فساد نہیں چاہتے لیکن سچ کو نہیں چھوڑ سکتے کسی صورت میں۔ یہ اپنی جگہ اٹل ہے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۳۰ جولائی ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ خالی دعاؤں والی بات نہیں ہے۔ عمل ساتھ کرنا پڑتا ہے۔ آپ روٹی سامنے رکھ کے بیٹھیں اور دعا کریں کہ یا اللہ یہ لقمہ میرے منہ میں ڈال دے تو اللہ میاں ڈال دے گا؟

☆ طلب بہت ضروری چیز ہے۔ طلب بڑھتی ہے کہیں فقیروں سے ملنے جلنے سے، طلب بڑھتی ہے کہیں اپنے حلقے میں آنے جانے سے، اپنے بھائیوں سے ملنے سے، اسلام کے قریب آنے سے۔ ہم میں ان میں سے کوئی بھی بات نہ ہو تو ہماری طلب کیسے بڑھے گی؟ بیٹھے بٹھائے طلب نہیں بڑھتی۔ اور کم ہوگی۔ نہ ہم بھائیوں سے ملیں، نہ ہم حلقے میں جائیں،

نہ ہم کتاب پڑھیں، نہ کوئی تعلیم سنیں، نہ کسی بزرگ کے پاس جائیں، بیٹھیں، اُٹھیں، ان باتوں کے علاوہ طلب کیسے بڑھے گی؟ اس کی طرف خیال کرنا پڑے گا۔

(ایک مرید کا نام لے کر فرمایا) یہ لاہور آیا ہوا تھا۔ یہاں سے واپس گیا بڑی اچھی اس کی Job ہے، اللہ کا فضل ہے، ماں باپ ہیں، زندہ ہیں ٹھیک ٹھاک ہیں تندرست ہیں، وہ جوان اتنا جوان بنا ہوا ہے، اتنی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی ہیں اس نے اور اس طرف پیٹھ کی ہوئی ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ اسے یہاں کیا مسئلہ ہے، ادھر آنے سے کیا کمی آ جائے گی۔ اسے پوچھنا کہ تمہیں کیا کمی آ جائے گی اگر تم ادھر آ جاؤ تو؟

(آن لائن محفل مورخہ ۱۳ اگست ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ انصاری صاحب کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک گھٹیا ترین انسان وہ ہے، یہی الفاظ تھے کہ گھٹیا ترین انسان وہ ہے جو خود ایک بات اپنے اوپر لازم کرے اور پھر اسے نہ کرے۔ جو خود ایک بات اپنے اوپر لازم کر لے اور پھر نہ کرے، میرے نزدیک گھٹیا ترین انسان وہی ہے۔

ہم اپنے اپنے کردار پہ، اپنے اپنے عمل پہ نظر ڈال کے دیکھیں تو ہمیں پتا چل جائے گا کہ ہم کتنے پانی میں ہیں۔ یہ خود پتا چل جائے گا۔ اس کے بعد ہم کریں یا نہ کریں لیکن آئینہ ہمیں انصاری صاحب نے دکھا دیا ہے کہ اس میں دیکھو تو اپنے آپ کو دیکھ لو گے کہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہو۔

☆ تصوف میں تو کسی چیز کی Excuse ہے نہیں۔ جو حکم ہوا بس کُن فیکون۔ بات سننے کی نہیں، دیکھنے کی نہیں عمل کرنے کی ہے۔ جو حکم ہوا ہے اس پر عمل کر لو تا کہ وہ جو ہے کہ

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عشق تو انتظار نہیں کرتا۔عشق کے سامنے جب کوئی بات بنتی ہے تو جیسا ہو وہ کود پڑتا ہے۔دیکھا جائے گا۔یہ ہم سوچتے ہی رہیں اور سوچتے ہی رہیں گے کہ ہم یہ کیسے کریں تو یہ پھر دل لگی ہے۔دل لگی سے کام نہیں بنتا۔سیدھی سی بات ہے۔دل لگی سے کام نہیں بنتا۔ یہاں تو اپنے آپ کو بالکل گم کرنا پڑتا ہے پھر بات بنتی ہے۔ایسے نہیں بنتی بات۔

☆ اب آپ بچے نہیں ہو۔سب کو بیس بیس،تیس تیس سال ہو گئے ہیں اس حلقے میں۔ اتنی بات تو سب کو سمجھ آ جانی چاہئے کہ یہاں عمل کے بغیر کام نہیں ہوتا۔جتنا مرضی تم بڑے بن جاؤ کہ میں اتنے عرصے سے یہ ہوں وہ ہوں۔باتیں بڑی سیکھ لیتے ہو تم اپنے اندر جھانکو ناں،کیا ہو؟ پھر پتا چلے گا۔

بھئی یہاں عمل کرنا پڑتا ہے۔یہاں دیکھنے والا Direct خود دیکھتا ہے، یہ یاد رکھیں۔کیونکہ تم نے دعویٰ اُس کے پیار کا کیا ہے تو وہ خود دیکھتا ہے کہ یہ مجنوں دودھ پینے والا ہے یا لہو دینے والا ہے۔وہ خود جھانکتا ہے اور اس کے مطابق وہ Action بھی لیتا ہے اپنے آدمیوں کو وہ مٹا دیتا ہے۔جسے وہ اپنا سمجھتا ہے،مٹا دیتا ہے۔وہ لحاظ نہیں کرتا۔جسے اپنا سمجھتا ہے،مٹا کے رکھتا ہے،پھر جا کے آدمی بنتا ہے۔

یہ بھول جائیں کہ آپ بڑے لاڈلے ہو جائیں گے۔ یہ کریں گے وہ کریں گے۔ لاڈلے اُس وقت ہو گے جب اُس کے Level پر آؤ گے۔ اپنے آپ سے لاڈلے نہیں بن سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حفظ و امان میں رکھے، اللہ ہمیں اس تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

عطاء اللہ شاہ کہا کرتا تھا: لنگوٹ کس لو پھر اللہ میاں ملے گا۔ لنگوٹ کس لو اور پڑ جاؤ اللہ میاں کے پیچھے۔ پیچھے ہٹنے کی بات ہی نہیں ہے پھر اللہ میاں ملے گا، ایسے نہیں ملے گا۔ یہ لنگوٹ کسنے والی بات ہے۔ ایسے ہی نہیں ہوتا۔

☆ اگر شروع میں آپ محنت کریں گے تو آگے بھی سب آسانیاں پیدا ہوتی جائیں گی۔ خوب محنت کرو اور اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو۔ آج کے بچے کل کے باپ ہوتے ہیں۔ کل آپ کو پھر یہ ساری ذمہ داریاں اٹھانی پڑیں گی۔ ذمہ داریوں کو آسانی سے اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی شروع سے عادی ہو اور ہر کام میں محنت کرے۔ پڑھنے میں، پڑھانے میں، کام کرنے میں محنتی ہو۔ نکما آدمی کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کام کرنے کا عادی ہو گیا آدمی، محنتی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد بھی کرتا ہے اور وہ کامیاب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے، حوصلہ دے اور کامیاب فرمائے۔

☆ باباجی (انصاری صاحبؒ) نے یہ کہا کہ اپنی سوچ ہمیشہ مثبت رکھو ورنہ آپ کی سوچ کا بھی اثر ہوتا ہے اور بعض دفعہ خیال بھی مجسم ہو جاتا ہے۔ خیال مجسم ہو جاتا ہے یہ معمولی بات نہیں اس کا خیال کریں۔ آپ ایک بات کو ہمیشہ اگر اپنے دماغ میں مسلط رکھیں گے تو وہ خود مجسم ہو کے آپ کے سامنے آ جائے گی۔ باباجیؒ نے خاص طور سے یہ بتایا ہے کہ اپنی

سوچیں صحیح رکھو۔ کسی کے متعلق ہو چاہے اپنے متعلق ہو۔ سوچ صحیح رکھو، مثبت رکھو اور نیک رکھو ہمیشہ۔ Negative سوچ مت سوچو کسی کے متعلق۔ ہم لوگوں کے لئے یہ زیادہ ضروری ہے۔ ہمارے لئے تو کچھ بھی ہو اپنے بندوں کے متعلق اور خود اپنے متعلق، اپنی سوچیں مثبت رکھیں اور نیک رکھیں۔ یہ کبھی نہ سوچیں کہ یہ ذکر نہیں کرتا، یہ نماز نہیں پڑھتا وغیرہ وغیرہ۔ ایسی باتیں ذہن میں کسی کے متعلق مت لائیں یا اور کسی سے متعلق ایسی بات ذہن میں مت لایا کریں کہ یہ یہ کرتا ہے، یہ نہیں کرتا۔ یہ تجسس اعمال بھی ہو جاتا ہے، گناہ سے بھی بچ جائیں گے آپ اور دوسروں پر آپ کی Negative سوچ کا اثر بھی نہیں ہو گا۔ یہ مت کیا کریں۔ سب بھائی نوٹ کر لیں کہ کوئی Negative سوچ، کسی بھائی کے متعلق کوئی بھی مت کرے۔

اللہ میاں بعض دفعہ ہماری سوچوں کے مطابق بھی کام کرتا ہے یہ یاد رکھیں۔ اپنی سوچیں اگر آپ درست رکھیں گے، صحیح رکھیں گے تو ان شاءاللہ ہر معاملہ اللہ میاں صحیح کرتا چلا جائے گا۔ اس پر تو یار خطبوں میں بھی ایک دو دفعہ بات ہوئی ہے لیکن یہ ہے کہ اُس وقت ہم نے اگر سنا ہو گا تو پھر دوبارہ پڑھنے کی تو ہماری عادت ہی نہیں ہے۔ یہ مسئلہ ہے۔

☆ ہر جمعہ کے دن خادم حلقہ کسی کتاب سے کوئی لیکچر دے دیا کرے یا کہہ دیا کرے کہ اگلے ہفتے یہ Chapter پڑھ کے آنا۔ اس سے یہ ہو گا کہ کچھ نہ کچھ عمل ہو جائے گا اور کچھ بات ذہن میں آجائے گی۔ یہاں کنونشن میں پھر ایک دوسرے کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

اس دفعہ کنونشن میں ایسے تیار ہو کے آنا ہے کہ ہر آدمی نے یہ تہیہ کر کے آنا ہے کہ میں نے اپنے بھائیوں سے کچھ سیکھنا ہے۔ آپ نے سیکھنے کے لئے آنا ہے۔ اس تہیے کے ساتھ اپنے آپ کو تیار کر کے آنا ہے۔ خود بھی بات کرنے کی پوزیشن بنا کے آئیں کہ کسی سے

کچھ پوچھنا پڑے تو میں کس طریقے سے پوچھوں گا کہ آپ نے یہ ترقی کیسے کی، آپ اس چیز پر کیسے عمل کرتے ہیں، اس طریقے سے آپ پوچھ بھی سکیں۔

☆ اگر ہم میں طلب ہے تو ہم اپنے آپ کو بنانے کے لئے، اپنے اخلاق کو سدھارنے کے لئے، تعلیم پر عمل کرنے کا طریقہ سیکھنے کے لئے ایک دوسرے سے سیکھنے کی کوشش کریں گے۔ ایک دوسرے سے بات کریں گے۔ یہ سوچیں کہ میں یہ کام کیسے کروں کہ میں بھی بھائی کی طرح اچھا ہو جاؤں۔ یہ طلب سکھاتی ہے۔

طلب اللہ کرے کہ ہم میں پیدا ہو جائے پھر تو بہت اچھا ہے ورنہ ہمارا کہنا ہی مان لیں جو عرض کر رہے ہیں کہ ایک دوسرے سے سیکھ لیں، بھائیوں سے ملیں۔ اپنی چھوٹی موٹی باتیں، اپنی خامیاں بتائیں، اپنی کمزوریاں بتائیں اور ان کی اچھائیوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

یہ بڑا لمبا رستہ ہے۔ اگر آپ نے پورے دس سال بھی کوئی کام نہیں کیا اور آج آپ ارادہ کریں کہ میں نے آج سے ہی یہ اچھا کام شروع کرنا ہے، یقین جانیں آپ لیٹ نہیں ہیں۔ آپ نے صحیح وقت پر کام شروع کر دیا ہے۔

میں بتاؤں آپ لوگوں کو کہ اللہ میاں اتنا درگزر کرنیوالا ہے، اتنا معاف کرنے والا ہے کہتا ہے آپ اپنی عمر ساری گزار لو، نزع سے پہلے مجھ سے معافی مانگ لو، میں معاف کر دوں گا۔ ہے ناں ایسے؟ یہ اسی لئے ہے کہ اچھا کام شروع کرنے کا کوئی وقت نہیں ہے۔ جب بھی شروع کر لو، عین وہی وقت ہوتا ہے۔ اس لئے اللہ میاں نے جو رعایت ہمیں دی ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔ جتنا لیٹ ہو گئے ہیں اسے نظر انداز کریں۔ یہ سمجھیں کہ میں آج پیدا ہوا ہوں، میں آج یہ کام شروع کرتا ہوں۔ کام شروع کریں، ان شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

☆ اپنے آپ کو Dishearten مت ہونے دینا اور نہ Discourage ہونے دینا۔ آپ لوگوں کا بڑا Stamina ہے۔ بڑا حوصلہ ہے۔ اس حوصلے کو بروئے کار لائیں اور اپنا عمل شروع کریں اور ان شاء اللہ، اللہ آپ کے ساتھ ہے۔ اللہ پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ ہم لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہمیں تھوڑا بہت رگڑا آگے آنے کے لئے دے لیکن وہ بھی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔ باقی ایک مرتبہ کسی نے ہاتھ ملا لیا تو اللہ میاں پیچھے نہیں ہٹتا۔ یہ یاد رکھیں۔

فَاذْکُرُونِی اَذْکُرْکُم

تم ایک مرتبہ میرا ذکر کر لو پھر تم پیچھے نہیں ہٹ سکتے، میں تمہارا ذکر کروں گا۔ اپنے آپ کو مسلمان سمجھیں اور مسلمان کبھی ہارتا نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو، مسلمان ہارتا نہیں ہے۔ اس لئے اللہ اللہ کرو اور کراؤ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہوگا۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۳ اگست ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

☆ آپ کہتے ہیں کہ میں بیمار ہوں۔ لا حول ولا قوۃ۔ یہ بھی کوئی بات ہے؟ ہمارے بابا جیؒ دس سال بیمار رہے۔ دس سال۔ آپ اندازہ لگائیں انصاری صاحب دس سال بیمار رہے وہ کبھی بھی نہ بیٹھے ایک سائیڈ پہ، ملتے جلتے بھی رہے سب بھائیوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے بھی رہے۔ لاہور میں نہر کے ساتھ سیر کرنے کے لئے بھی جاتے تھے آفتاب صاحب کے ساتھ اور بیمار بھی رہے۔ دس سال بیمار رہے۔ پھر جا کے کہیں اللہ میاں نے صحت دی اور ہمیں درود شریف کا تحفہ ملا۔ کہا کہ درود شریف پڑھا کرو۔ مجھے حکم ہوا ہے کہ درود شریف نہیں پڑھو گے تو ایسے ہی رہو گے۔ انہوں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا تو اللہ نے کیا کہ وہ تندرست ہو گئے۔

یہ بیماریاں جو ہیں دیکھو میرے بھائی یہ زندگی کا ثبوت ہیں کہ ہم زندہ ہیں۔ ان کو دل پر مت لگایا کرو۔ ہاں علاج وغیرہ کرو، علاج میں کوتاہی مت کرو لیکن دل پر مت لگاؤ کہ جی میں بیمار ہوں۔ سختی کی ضرورت نہیں ہے۔ بیماری سے موت نہیں ہے۔ موت اپنے وقت پر آئے گی۔ جب آئے گی تو پتا ہی نہیں چلے گا کہ میں کہاں تھا اور کہاں ہوں، وہ اپنے وقت پہ آئے گی۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ۔

جب وہ آئے گی تو ایک قلیل لمحے کی فرصت نہیں دے گا اللہ میاں۔ کہے گا کہ بس واپس آجاؤ ابھی بس ہو گیا۔ (سورۃ الاعراف ۷: آیت ۳۴)

☆ ہماری زندگی میں اگر یہ دکھ تکلیف نہ ہوں تو ہماری زندگی کا ثبوت ہمیں کیسے ملے؟ جب تک زندہ ہیں تھوڑی بہت تکلیف ہوتی ہی ہے اور ہونی بھی چاہیے یار۔ یہ زندگی کا ثبوت ہے کوئی بیمار، کہیں سر درد ہوتا، کہیں پیٹ میں درد ہوتا، کہیں ٹانگوں میں درد ہوتا۔ یہ درد وردتو ہوتے رہتے ہیں، ہونے دیں۔ یہ اپنا کام کریں تم اپنا کام کرو۔ یہ زندگی کا ثبوت ہے۔

(راولپنڈی حلقہ سے ایک بزرگ بھائی کا نام لے کر فرمایا کہ) اس سے کوئی پوچھے ناں۔ وہ آدھا ہے، آدھا نہیں ہے۔ وہ Physically آدھا ہے لیکن وہ پوروں کی طرح ہر جگہ پورا ہے۔

☆ سب کام اللہ میاں خود ہی ٹھیک کر لیتا ہوتا ہے۔ تھوڑا سا بس انسان کو مانگنے کا حوصلہ چاہیے ہوتا ہے۔ جو کچھ بھی لینا ہو تو بڑے پیار سے مانگ لیا کریں۔ مانگ لیں تو بس باقی سب کام اللہ میاں خود کر لیتا ہوتا ہے۔ پیار سے مانگ لیا کریں۔ وہ مانگنے سے بڑا خوش ہوتا ہے

ان شاء اللہ کوئی بھی مسئلہ ہو ٹھیک ہو جائے گا، اللہ ٹھیک کر دے گا۔ یار آپ لوگوں کے ساتھ تو خاص پیار ہے اللہ کو۔ آپ پیار کریں ناں۔ پیار کریں تو دیکھیں کہ وہ کیسا جواب دیتا ہے۔

☆ آپ نے ایک خادم حلقہ کا نام لیا اور فرمایا؛

ان کے حلقہ میں وہاں ان کے پاس بچے آتے ہیں جو سب ان کے عزیز ہی ہوتے ہیں۔ میری دو دفعہ ان کے ساتھ وہاں ملاقات ہوئی ہے اور ان کو میں نے واضح طریقے سے کہا ہے کہ بچے جو پڑھ رہے ہیں ان کی توجہ سب سے زیادہ پڑھائی پر ہونی چاہیے۔ اس طرف انہیں لانے کی کوشش مت کریں۔ وہ مرضی سے کبھی آکر بیٹھ کے ذکر کر لیں تو کوئی بات نہیں لیکن ان کا پیچھا مت کریں۔ ان کو پڑھنے دیں۔

میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ میں ایسے بچوں کو ادھر نہیں لگاتا۔ یہ تو بڑی مشکل ہو جاتی ہے اور خود ان کی تعلیم کا بڑا حرج ہوتا ہے۔ ہمیں تو In the long run جو نقصان ہوگا سو ہوگا اس وقت انہیں جو نقصان ہوگا تو انہیں بھی In the long run نقصان ہوگا۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ باقی اور کہیں ہمارے حلقوں میں پڑھنے والے بچے نہیں آتے۔ اگر آئیں تو ان کے متعلق میرا رویہ یہی ہوتا ہے کہ جو چھوٹے بچے ہیں، جو پڑھائی میں ہیں، جو پڑھ رہے ہیں ان کی پہلی ڈیوٹی پڑھائی ہے۔ وہ یہ پڑھائی مکمل کریں اس کے بعد وہ ماں باپ کی Instruction کے مطابق اگر کام کاج کرتے ہیں تو کام کاج کریں اور پھر ساتھ یہ ذکر بھی کریں۔

پڑھنے کی حد تک پڑھائی پہلے۔ میں نے سب کو کہا ہے۔ اگر کسی کو نہیں پتا تو جان لیں کہ اگر ایسا ہے تو آپ ظلم کر رہے ہیں اس سے باز آجائیں۔ ہمیں اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

باباجی نے اس زمانے میں میٹرک کرنے کے بعد یہ اجازت دی تھی کہ میٹرک کرنے کے بعد کوئی اللہ اللہ کرے تو کرے۔اس زمانے میں بچہ جب میٹرک کرتا تھا تو اس کے بعد بے چارے کا کام نوکری کرنا ہوتا تھا۔باباجی خود میٹرک میں تین دفعہ فیل ہوئے۔ وہ بھی فیل اس لئے ہوئے کہ انہوں نے پڑھائی چھوڑ دی اور ادھر ٹکریں مارنا شروع کردیں بس پھر فیل ہونا تھا تو تین دفعہ فیل ہو گئے۔اپنا تجربہ پھر انہوں نے ہم سب کو بتایا اور کہا کہ بچوں کو میٹرک کرنے کے بعد ذکر کی اجازت دیں۔یہ سارے بھائی ذہن میں رکھیں۔

ہمارے سامنے محفل میں ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ باباجیؒ نے یہ بات کی کہ بچے کو میٹرک کرنے کے بعد تلقین کریں کہ حلقے میں شامل ہو۔اس وقت تک بچہ ٹھیک ہی ہو جاتا ہے۔آج کل ویسے میٹرک تو بچے جلدی کر لیتے ہیں، سمجھ نہیں آتی، بڑے تیز ہو گئے ہیں۔پھر بھی جس نے پڑھنا ہے، پڑھائی تو پہلے ہے۔ پڑھائی کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔علم تو ضروری ہے۔ Top پر تو علم ہے۔علم ضروری ہے۔ویسے ساتھ ساتھ پڑھتے ہوئے یہ ذکر وغیرہ دیکھتے رہیں تو ایسے بچوں کے لئے یہ دیکھنا ہی بہت ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمت دے تو سیکھ لیتے ہیں۔اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ تم باقاعدہ ذکر کرو اور یہ کرو۔وہ اگر نماز پڑھتا ہے تو بڑی بات ہے۔نماز پڑھنے میں زبردستی پڑھے تو بھی پڑھائیں لیکن یہ ذکر اذکار کی طرف مائل مت کریں جب تک بچہ پڑھ رہا ہے۔

(آن لائن محفل مورخہ ۱۳ اگست ۲۰۲۳ء کی گفتگو سے اقتباسات)

کائنات کا جدید سائنسی تصور اور اثباتِ توحید

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

”عالم کے حادث یا قدیم ہونے کی بحث جو ایک مدتِ دراز سے دہریوں اور خدا پرستوں کے درمیان چلی آرہی تھی ،اب جدید سائنس نے اس کا قریب قریب حتمی فیصلہ ہی خدا پرستوں کے حق میں کردیا ہے۔اور دہریوں کے لیے مادے کو ازلی اور ابدی قرار دینے کی مشکل ہی سے کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے۔پرانی مادہ پرستی کا سارا انحصار اس دعوے پر تھا کہ مادہ فنا نہیں ہوسکتا،اس کی صرف صورت بدلی جاسکتی ہے مگر ہر تغیر کے بعد مادہ مادہ ہی رہتا ہے اور اس کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔اس بنا پر یہ نتیجہ نکالا جاتا تھا کہ عالم میں مادے کی ابتدا اور انتہا نہیں ہے لیکن اب جوہری توانائی Atomic Energy نے اس پورے تخیل کی بساط اُلٹ دی ہے۔اب مادہ قوت میں تبدیل ہوتا ہے اور قوت مادے میں۔اب حرکاتِ حرارت Thermo Dynamics کے دوسرے قانون نے یہ ثابت کردیا ہے کہ یہ مادی عالم نہ ازلی ہوسکتا ہے اور نہ ابدی اس کو لازماً ایک وقت شروع اور ایک وقت ختم ہونا چاہیے۔ اب مختلف علومِ طبیعی کی شہادتوں سے کائنات کا ایک وقتِ آغاز متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔پھر کائنات کا جو نظریہ آج کل زیادہ تر مقبول ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کائنات یک لخت ایک ہی تخلیقی انفجار Explosion سے وجود میں آئی تھی نہ کہ کسی طویل تدریجی عمل سے اس کا مادہ تخلیق یکجا انتہائی کثافت اور انتہائی حرارت کی حالت میں تھا اور ابھی اس کی عمر پانچ منٹ

کی تھی کہ ایک عظیم انفجار سے وہ پھٹی۔تیس منٹ کے اندر اندر تمام کیمیاوی عناصر پیدا ہو گئے اور پھر مادے سے بے شمار فلکی نظام بنے۔یہ گویا موجودہ سائنس کی زبان سے قرآن کے ارشادات کی تفسیر ہو رہی ہے جن میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

ترجمہ: ''ہم جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں اُس کے لیے ہمیں بس یہ کہنا ہوتا ہے کہ ہو جا! اور بس وہ ہو جاتی ہے۔'' (النحل: ۴۰)

اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۔

ترجمہ: ''آسمان اور زمین ایک ڈھیر تھے، پھر ہم نے انہیں پھاڑ دیا۔'' (الانبیاء: ۳۰)

موجودہ سائنس نے دہریت اور مادّہ پرستی کے ساتھ ساتھ شرک کی بھی پوری طرح کمر توڑ دی ہے۔آج یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پوری کائنات ایک ہی مادے سے بنی ہے اور ایک طرح کے قوانین اس میں کارفرما ہیں۔یہ عظیم کارگہ ہستی جس میں کم از کم ایک لاکھ نظامِ فلکی Galaxies پائے جاتے ہیں اور جس کے صرف ایک نظام میں ہمارے سورج جیسے ایک ارب سورج اپنے اپنے نظامِ شمسی کے ساتھ موجود ہیں۔اس کے عناصر ترکیبی سب جگہ یکساں ہیں اور وہ وہی عناصر ہیں جن سے ہماری زمین اور اس کی مخلوقات بنی ہیں، آج بعید ترین تاروں کا بھی جو مشاہدہ کیا گیا ہے اس میں وہ عناصر پہچانے گئے ہیں جو ہماری زمین پر عام ہیں اور قوانینِ فطرت کی عالمگیری ہی انسان کو اس قابل بنا رہی ہے کہ وہ زمین سے اُٹھ کر فضائے بسیط میں جائے اور دوسرے سیاروں پر پہنچنے کے لیے نقشے سوچ سکے۔ان معلومات نے اس وہم و گمان کے لیے بھی کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ یہ کائنات مختلف خداؤں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔آج یہ بات کھل گئی ہے کہ:

ترجمہ: ''وہی ایک آسمان میں بھی خدا ہے اور زمین میں بھی اور وہی ایک حکیم وعلیم ہے۔''
(الزُّخرف: ۸۴)

ترجمہ: ''اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمینوں میں بھی ہے۔''(الانعام ۳)

وجود باری تعالیٰ اور پھر توحید کا کُھلا کُھلا ثبوت اس کائنات میں نظام کی وحدت ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی شے سے لے کر بڑی سے بڑی چیز جسے بھی دیکھیے ایک ہی نظام اور ایک ہی بندھن حتیٰ کہ حرکت کی ایک ہی شکل میں پروئی ہوئی ہے۔

ایٹم کو دیکھیے ۔ اس کا الیکٹرون گھڑی کی سوئی کی حرکت کے برعکس Anti-Clock-wise گھومتا ہے یعنی اُوپر کی جانب دائیں سے بائیں کی طرف حرکت کرتا ہے ۔ زمین بھی اسی طرح اینٹی کلاک وائز طرز پر گھومتی ہے ۔ سورج بھی گھڑی کی سوئیوں کے برعکس حرکت کرتا ہے بالکل اسی طرز پر چاند بھی اور دوسرے اَقمار بھی اسی طرح Anti-Clock-Wise حرکت کرتے ہیں ۔ پھر دیگر سب سیارگان ان کا مجموعہ کبریٰ، نظامِ شمسی سب کے سب اسی انداز پر حرکت کر رہے ہیں۔

اور دیکھیے ،ایٹم میں الیکٹرون بیضوی (انڈے کی طرح)، اِہلیلجی طرز پر حرکت کرتا ہے ۔ زمین سورج کے گرد بیضوی طرز پر چکر لگاتی ہے ۔ بالکل اسی طرح سے زہرہ، نیپٹون، مشتری اور دیگر تمام سیارگان اسی طرح بیضوی (Oval) اِہلیلجی طرز پر چکر لگاتے ہیں

زمین کا محور سیدھا نہیں ہے، جھکا ہوا ہے (23½ کے زاویہ پر مائل ہے)۔ چاند کا محور بھی جھکا ہوا ہے۔ مریخ کا محور بھی جھکا ہوا ہے۔ خود سورج کا محور بھی جھکا ہوا ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسی نسبتِ زاویہ سے ایٹم کے اندر بھی نیوٹران اور الیکٹرون کے مابین وہی نسبت ہے جو سورج اور اس کے گرد چکر لگانے والے سیارگان کے مابین نسبت پائی جاتی ہے۔

پھر دیکھیے کہ دنیا میں موجود تمام ذرات تمام ایٹم ایک زوجیت (جوڑا جوڑا ہونا) پر قائم ہیں۔ایٹموں میں مثبت اور منفی برقپارے پائے جاتے ہیں۔غرضیکہ دنیا کی ہر چیز منفی اور مثبت برقپاروں کی زوجیت کا مظہر ہے۔نباتات کی طرف آیئے تو دورِجدید میں پتہ چلا ہے کہ یہاں بھی مادہ ونر کی زوجیت موجود ہے۔حیوانوں میں،انسانوں میں،حتیٰ کہ انسانوں کی تیسری جنس مخنثوں میں بھی نراعضائے تناسُل اور مادہ اعضائے تناسُل صاف نظر آتے ہیں:

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّھَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِھِمْ وَ مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ۔

ترجمہ:"پاک ہے وہ ذات جس نے تمام مقابل قسموں کو پیدا کیا نباتاتِ زمین کے قبیل سے بھی اور (خود) ان آدمیوں سے بھی اور ان چیزوں میں سے بھی جن کو (عام لوگ) نہیں جانتے۔(یٰسین:۳۶)

اسی طرح سے پُوری زمین میں،سُورج میں،تمام ستاروں میں یہی زوجیت،یہی الیکٹرون اور پروٹون کی زوجیت اور نیوٹرون جیسے مرکز کا وجود پایا جاتا ہے۔

کیا یہ وحدتِ نظام اس بات کی کُھلی کُھلی شہادت نہیں کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق ایک ہی مالک و منتظم اور ایک ہی رب ذوالجلال ہے۔**فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔**

رابرٹ گرانٹ ایٹکن اے بی،اے ایم۔ایس سی ڈی اپنے مضمون "ستاروں کی دنیا میں لکھتے ہیں:۔

"ان صدیوں کا پرنیکس کے پیش کردہ تصورِ کائنات میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اس وسعت میں ابھی تک اضافہ ہو رہا ہے۔اور اس کی انتہا کہیں نظر نہیں آتی۔

دُوربین سے معلوم ہوا ہے کہ سُورج،مشتری اور دیگر سیارے زمین کی طرح اپنے

محور پر بھی گھوم رہے ہیں ۔۱۶۸۸ء میں انگلستان کے ایک منجم ایڈمنڈ ہیلی Edmund Halley نے ثابت کیا کہ کچھ یا تمام ستارے آسمان میں اپنی پوزیشن بدل رہے ہیں، ساکن نہیں ہیں، بلکہ تیزی سے حرکت کر رہے ہیں ۔سو سال بعد ہرشل نے اعلان کیا کہ سُورج بھی خلا میں محوِ سفر ہے اور اُس کا راستہ ستاروں کے دو جھرمٹوں لیئر اور ہرقلیس کے قریب سے گزرتا ہے ۔تازہ مشاہدات سے ہرشل کی تائید ہوتی ہے ۔

کائنات کا وہ قدیم تصور، کہ اس کے مرکز میں ایک تنگ سی زمین یا سُورج ہے ۔ختم ہو چکا ہے اور اس کی جگہ ایک غیر محدود یا غیر مُعین کائنات کے تصور نے لے لی ہے جس کا ہر یونٹ غیر معمولی رفتار سے محوِ پرواز ہے ہماری زمین نہ صرف اپنے محور اور مدار پر گھوم رہی ہے بلکہ سورج کے ہمراہ ستاروں کی دُنیا میں خطِ مستقیم بھی سفر کر رہی ہے ۔ہم میں سے ہر شخص خلا میں ایک نہایت پیچیدہ راستے پر جا رہا ہے ۔ہماری زمین بیک وقت تین سفر کر رہی ہے ۔اول ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے محوری گردش ۔دوم اڑسٹھ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے مداری گردش ۔سوم چوالیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سُورج کے ہمراہ سفر ۔

اس رفتار کا اندازہ ہم ستاروں کی اُن با قاعدہ یا بے قاعدہ بدلتی ہوئی پوزیشن سے لگاتے ہیں ۔جنہیں صرف دُوربین دیکھ سکتی ہے ۔اگر اس رفتار کو ہماری آنکھ دیکھ پائے تو بڑے سے بڑے شیر دل کا پتہ بھی آب ہو جائے ۔اور اُس کی عقل چکرا جائے ۔سورج کے علاوہ باقی ستارے اور اُن کے چاند بھی اسی رفتار سے خلا میں محوِ سفر ہیں ۔اور جب ہم ستاروں کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو حیرت میں ڈوب جاتے ہیں ۔اس تیزی و تندی کے باوجود ان کی رفتار میں وہ توازن ہم آہنگی اور آئین کی پابندی ہے کہ جُوں جُوں ہم اپنے مشاہدات کا تجزیہ کرتے ہیں تو نظم و نسق کی ایک ایسی واضح تصویر آنکھوں میں کھنچ جاتی ہے جو بے جان سالمات

کی اتفاقیہ ترکیب ورفتار کا نتیجہ نہیں ہوسکتی''۔

سر آلیور لاج، ڈاکٹر آف سائنس اپنے مضمون ''کائنات کا منصوبہ و مقصد'' میں لکھتے ہیں:۔

سُورج کی روشنی کا بہت بڑا حصہ خلا میں پھیل جاتا ہے۔ اور اس کی ایک چھوٹی سی کسر زمین پر آتی ہے اسی سے ہوائیں چلتی، گھٹائیں بنتی، دریا بہتے، پودے اُگتے اور ذی حیات زندہ رہتے ہیں نظامِ شمسی کب سے قائم ہے؟ ہمیں علم نہیں۔ ہمیں اتنا ہی معلوم ہے کہ زندگی کسی نہ کسی شکل میں شروع سے موجود تھی، البتہ ذہن ودماغ کہیں نظر نہیں آتے تھے بعض پُراسرار عوامل صدیوں مصروفِ عمل رہے۔ تب کہیں فضا عقل وآگہی کے لیے ہموار پائی۔ یہ عوامل بدستور مصروفِ کار ہیں اور ایک عظیم تر ذہانت کے منتظر۔

اس کائنات کی تفسیر وتشریح صرف فزکس اور کیمسٹری کے اصولوں سے نہیں ہوسکتی۔ مثلاً حیوانات کو لیجیے۔ کیا ان کی عادات حرکات اور سکنات کی کوئی توجیہ ان علوم کی روشنی میں ممکن ہے، کائنات میں غور وفکر ہمیں ایک ہی نتیجے تک پہنچاتا ہے کہ یہاں کوئی تخلیق بے مقصد نہیں فرض کیجیے کہ کسی حادثے سے زمین کی تمام آبادی ختم ہوجاتی ہے۔ اور سینکڑوں صدیوں بعد مریخ کا کوئی سائنسی مشن زمین پہ آتا ہے۔ وہ ٹوٹی ہوئی تعمیرات، پُلوں اور سڑکوں کو دیکھ کر یہ کبھی نہیں کہے گا کہ یہ چیزیں فزکس اور کیمسٹری کے عمل سے ظہور میں آتی تھیں۔ بلکہ یہ سمجھے گا کہ زمین پر کسی وقت کوئی صاحبِ عقل مخلوق آباد تھی۔ جس نے یہ سب کچھ کسی نہ کسی مقصد کے لیے بنایا تھا۔

ایک سرجن اس اعتماد پر جسم کے کسی خراب حصے کو کاٹ دیتا ہے کہ یہ حصہ از خود از سرِ نو پیدا ہوجائے گا، اندمال وتلافی کا یہ عمل کیسے ہوتا ہے؟ بدستور ایک راز ہے۔ ہماری اس مادّی دُنیا میں ایک روحانی دنیا بھی موجود ہے جس کی طرف ہم امداد وتعاون کے لیے

بار بار لپکتے ہیں۔ ہمارا بولنا۔ پڑھنا لکھنا اور سوچنا، جسمانی اعمال ہیں اور رُوحانی بھی۔ جب ہم لکھ رہے ہوتے ہیں تو ہاتھ اور دماغ بیک وقت مصروف کار ہوتے ہیں۔ جب ہم کسی ڈرائنگ روم میں حسین آرائشی اشیاء دیکھتے ہیں تو معاًذہن ان کے دانش مند صانع کی طرف چلا جاتا ہے۔ نگارخانہ فطرت بھی جمیل مناظر سے لبریز ہے، کیا ان کا کوئی صانع نہیں؟

قدیم کھنڈرات میں زمانہ قبل از تاریخ کے نقش و نگار دیکھ کر ذہن اُس دانش آرٹسٹ کی طرف چلا جاتا ہے جس نے وہ نقش بنائے تھے۔ یہ نباتات، حیوانات اور جمادات نہ صرف آرٹ کے حسین نمونے ہیں بلکہ پلان و مقصد کے عظیم شواہد بھی۔ ان تمام کی تعمیر و تشکیل ایٹم سے ہوئی تھی۔ یہ انہی کی ترتیب کا اعجاز ہے کہ نباتات، حیوانات و جمادات سے الگ ہوگئے۔ اور ان کی اتنی انواع بن گئیں کہ انسانی ذہن ان کے تنوع اور تعداد کے تصور ہی سے سر بجود ہو جاتا ہے۔

(آلیور لاج)

(جب ہم زندگی کی حقیقت پر غور کرنے لگیں تو ہمیں چاہیے کہ فزیکل سائنس کی محدود فضا کو پھلانگ کر اس مافوق البشری طاقت کو تسلیم کریں جو ہر شے کو تکمیل کی راہوں پہ ڈال کر اُس کی رہنمائی کر رہی ہے)۔ آرتھر سٹو آرٹ ایو (ایف آر، ایس۔ ڈی ایس سی) اپنے مضمون تفسیر کائنات میں لکھتے ہیں:

"اس خلا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کروڑوں لہریں بیک وقت روشنی کی رفتار سے ہر سمت جارہی ہیں اور ایک دوسرے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ ان کا طول جُدا جُدا ہوتا ہے۔ اسی خلا سے روشنی بھی گزرتی ہے۔ اگر ہم ایک سو واٹ کا ایک بلب دس گھنٹے کے لیے چلائیں تو بجلی کا ایک یونٹ خرچ ہوگا اور اس کے لیے ہمیں کم از کم

تمیں پیسے ادا کرنے ہونگے ۔بجلی کا کچھ وزن بھی ہوتا ہے۔حساب لگایا گیا ہے کہ ایک پونڈ بجلی خریدنے کے لیے ہمیں ۵۰ کروڑ ڈالر خرچ کرنا پڑیں گے۔سورج ہر روز ایک سو ساٹھ ٹن روشنی زمین کو دیتا ہے اس کی قیمت ۱۵ کروڑ ملین ڈالر بنتی ہے۔سُورج یہ کام پچھلے دس ارب سال سے کر رہا ہے اور نہ جانے کتنے ارب سال اور کرتا رہے گا۔کوئی ہے جو روشنی کی قیمت کا اندازہ لگا سکے؟ اگر کسی دن آسمان والے اہلِ زمین کے سامنے روشنی کا بل پیش کر دیں۔اور ساتھ ہی دھمکی دے دیں کہ اگر فلاں تاریخ تک یہ بل ادا نہ ہُوا تو کائنات کی تمام روشنیاں گل کر دی جائیں گی تو اے زمین والو! بتاؤ کیا کرو گے؟

یہ خلا جو ہر قسم کی روشنی اور توانائی کی لہریں زمین تک پہنچاتا ہے بالکل خالی نہیں۔ بلکہ اثیری مواد سے پُر ہے۔یہ مواد مادی اشیاء کی طرح ٹھوس نہیں اور نہ بالکل روحانی ہے۔ سرِ دست کائنات کے متعلق ہمارا تصور یہ ہے کہ یہ مادہ اور اثیر سے مرکب ہے اور اثیر توانائیوں کی گزرگاہ ہے۔اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ دس لاکھ نوری سال تک کی مسافتیں ماپی جا چکی ہیں۔اور ملک شناس ایسی مسافتوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جو دس کروڑ نوری سال سے بھی زیادہ ہوں۔

اس کائنات میں ایک طرف سدیم کہکشاں، ستاروں کی بے کراں مسافتیں اور توانائی کی بے شمار لہریں ہیں اور دوسری طرف مہین برقی ذرات اور بنیادی عناصر مثلاً ہیلیم، سوڈیم، کرومیم وغیرہ ہیں۔جن سے اشیاء کی تشکیل ہوئی۔انہی سے زمین بنی اور انہی سے سورج چاند اور کواکب تیار ہوئے۔ایٹم (جوہر) بجلی کے مثبت ومنفی ذرات کا مجموعہ ہے۔ یوں تو ایٹم کی ساخت بہت سادہ ہے۔لیکن نباتات وحیوانات میں یہ بہت پیچیدہ ہو جاتی ہے۔ایک پودا بظاہر ایک سادہ سی چیز نظر آتا ہے لیکن درحقیقت وہ ایک نہایت پیچیدہ فیکٹری ہے

جس میں پتے شاخیں پُھول اور خوش ذائقہ پھل ڈھل رہے ہیں۔اور عجیب تر یہ کہ اُس کے پاس اپنے جیسی مزید فیکٹریاں بنانے کا سامان (بیج) بھی موجود ہے۔آم کی گٹھلی سے آم۔ مالٹے کے بیج سے مالٹا اور گائے کے پیٹ سے بچھڑا پیدا ہونا تخلیق کا حیرت انگیز اعجاز ہے۔ وہ کون سی قوت ہے جو شیر کے بچے کو شیر بناتی اور آم کے پودے کے ساتھ آم لگاتی۔نو روئیدہ نہال اور نومولود بشر کا رابطہ اپنی نوع سے قائم رکھتی ہے۔اس سوال کا جواب ابھی تک ہمیں نہیں مل سکا۔

ایٹم،مثبت و منفی ذراتِ برق سے ترکیب پاتا ہے۔مثبت کے گرد ایک سے لے کر بانوے تک منفیے الیکڑان ، اُسی طرح چکر کاٹتے ہیں جیسے سُورج کے گرد سیارے۔ ہر منفیہ ایک مدار سے کُود کر دوسرے میں جا سکتا ہے۔اس کی خصوصیات میں سے ایک یہ کہ یہ وائرلس سٹیشن کی طرح توانائی لیتا بھی ہے اور دیتا بھی۔

اللہ کا کمالِ تخلیق دیکھنا ہو تو اُونٹ اور ہاتھی کو نہ دیکھیے بلکہ ان باریک رنگین اور اُڑتی ہوئی مکھیوں کو دیکھیے جو پھولوں اور پھلوں کے پاس ملتی ہیں۔اُن کی نہ تاٹگیں نظر آتی ہیں نہ مُنہ اور نہ سر۔بایں ہمہ وہ ہر لحاظ سے مکمل ہوتی ہیں۔یہی کیفیت کائنات کے ان مہین ذرات کی ہے کہ چھوٹا ہونے کے باوجود یہ تخلیق کا شاہکار ہیں۔

نظم

(علامہ اقبالؒ)

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لاالہ الااللہ

خودی سے مراد اپنی ذات کی پہچان اپنی ذات کی معرفت اور ادراک ہے۔ سرِ نہاں سے مراد پوشیدہ راز۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک سچے توحیدی اور مومن کی ذات کی پہچان کلمہ توحید یعنی لاالہ الا اللہ میں چھپی ہوئی ہے خودی کو اگر تلوار سے تشبیہ دیں تو تلوار کو تیز کرنے والی سان یا پتھر لاالہ الا اللہ ہے۔ جیسے تلوار کو فساں پر چڑھا کر اس کی دھار تیز کی جاتی ہے اور اسے صحیح معنوں میں تلوار بنایا جاتا ہے ایسے ہی خودی کی صلاحیتوں کو صرف ایک خدا کے احکامات کی پیروی کر کے مرتبہ کمال تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لاالہ الااللہ

جس طرح ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا اور اللہ کے بندوں کو بتوں اور اپنی پرستش پر مجبور کیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا اور

اس کے بتوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔اسی طرح دورِ حاضر کو بھی آج کے ابراہیم کی تلاش ہے جوان جیسے کردار کا حامل ہو اور دنیا سے تمام ظاہری اور باطنی بتوں کو توڑ کر توحید کو عام کر دے کیونکہ آج کا زمانہ بھی اللہ کو چھوڑ کر ایک صنم کدا یعنی بت خانہ بن چکا ہے یہ ضروری نہیں کہ یہ بت پتھر کے ہی ہوں۔کفر، شرک، مادہ پرستی، مال و دولت کی ہوس اور بے شمار برائیاں دورِ حاضر کے بت ہی تو ہیں۔

کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریبِ سود و زیاں، لا الہ الا اللہ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو نے متاعِ غرور یعنی دھوکے کے سامان کا سودا کیا ہے۔تم نے آخرت کے مقابلے میں اس فانی دنیا کو ترجیح دی ہے یہ دنیا تو نفع و نقصان کا فریب یعنی دھوکہ ہے جس کو صرف کلمہ توحید لا الہ الا اللہ سے ہی توڑا جا سکتا ہے۔نہ اس دنیا کی کوئی اصلیت ہے اور نہ اس کا سود و زیاں، نفع و نقصان کوئی حقیقت رکھتا ہے یہ سب فانی چیزیں ہیں بندۂ مومن کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ مقصود نہ مطلوب نہ محبوب۔

وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے''۔(قرآن 57:20)

وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ''اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے''۔(قرآن 3:185)

یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند

بتان وہم و گماں، لا الہ الا اللہ

علامہ اقبال رحمتہ اللہ فرماتے ہیں اس دنیا کا مال دولت، رشتہ داریاں، تعلقات تمام وہم وگمان کے بت ہیں اور ہم خالص توحید کو چھوڑ کر ان بتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں یہ دنیا، اس کا مال وزر، اس کے تعلقات محض وہم وگمان ہیں کہ یہ ہمارے کسی کام آئیں گے اصل میں ان کی کوئی حقیقت نہیں یہ سب بے حقیقت اور فانی چیزیں ہیں۔ یہ سب وہم وگمان کے تراشے ہوئے بت ہیں اصل حقیقت تو اللہ کی ذات ہے اگر دنیا کی دولت اور اس کے رشتوں کے لیے زندگی گزاری جائے اور آخرت کو بھلا دیا جائے تو یہ توحید کے منافی ہے۔

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری

نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ

خرد سے مراد عقل اور زناری سے مراد غلامی یا پرستش کرنا۔ اقبال رحمتہ اللہ فرماتے ہیں انسانی عقل تو اس فانی دنیا کی پرستش میں گم ہوگئی ہے مدتوں سے اس مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں کہ زمان و مکاں کی حقیقت کیا ہے اور اس میں اس قدر کھو چکے ہیں کہ اللہ کی بجائے زمان و مکاں کو ہی سب کچھ سمجھنے لگے ہیں اور ذات حقیقی کو بھول چکے ہیں حقیقتاً زمان و مکان عارضی ہیں اور فنا ہو جانے والے ہیں صرف ایک ہی ذات ہے جس کا وجود حقیقی ہے اور وہ اللہ ہے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ

فصل گل و لالہ بہار کا موسم بندہ مومن ہر حال میں اپنے اللہ کو یاد رکھتا ہے اور کلمہ توحید بلند کرتا رہتا ہے وہ اس بات کا پابند نہیں ہوتا کہ وقت کیسا ہے موسم بہار کی طرح خوبصورت، دلکش، خوشی و خوشحالی والا ہے یا خزاں کی طرح خشک، بدحالی جیسا۔ ایک سچا مومن ہر وقت ہر حالت میں توحید پر قائم رہتا ہے۔ دنیاوی طور پر عروج ہو یا زوال لا الہ الا اللہ کی روح سے اپنے جسم کو خالی نہیں کرتا۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ

اگرچہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں مختلف اقسام کے بت پوشیدہ ہیں اور وہ توحید کی حقیقت سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ مسلمان توحید کو چھوڑ کر غیر اللہ کی طرف مائل ہو چکے ہیں اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دے رہے ہیں اور دنیا کے بتوں کے اسیر ہو چکے ہیں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ میں اس حالت میں بھی قوم کے سامنے اللہ اکبر کی صدا بلند کروں اور بتاؤں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی حقیقت نہیں اللہ ہی معبود ہے اور وہی حقیقت ہے۔

امانت

(حاجی مبارک علی)

''ہم نے امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو دکھائی تو انہوں نے قبول نہ کیا کہ اسکو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے۔ اور انسان نے اسکو اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔''

آیت کی رو سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں انہی نتائج کی رو سے ہم جائزہ لیں گے کہ وہ امانت کیا ہے جس کی وجہ سے اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی یعنی خلیفۃ الارض ہوتے ہوئے بھی یہ ظالم اور جاہل ٹھہرا!

(1) امانت کیا ہے۔ (2) آسمان زمین پہاڑ یعنی پوری کائنات زندہ ہے۔

(3) کائنات کی ہر تخلیق سوچ اور سمجھ رکھتی ہے چاہے وہ پہاڑ ہی کیوں نہ ہو۔

(4) اللہ تعالیٰ کا ڈر ہر چیز میں موجود ہے۔

(5) ہر تخلیق میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔

(6) انسان سب مخلوقات سے زیادہ ذی شعور ہوتے ہوئے بھی ظالم اور جاہل ہے۔

مادہ: یہ سب سے بڑی اور اہم تخلیق ہے۔ کیونکہ اس سے باقی ساری کائنات بنائی گئی ہے۔ اس میں بے شمار اجزاء شامل ہیں۔ سائنسدان ہی بتا سکتے ہیں کہ کتنے اجزاء سے ساری کائنات کو بنایا گیا ہے۔ بہر حال میجر اجزاء چار ہیں۔ آگ، مٹی، ہوا، پانی۔

مادّہ میں ملاوٹ ہے۔ خالص نہیں ہے۔ ملاوٹ ہے تو کثافت ہے اور کثافت ہے تو بھاری پن ہے۔ پاک نہیں ہے۔ پھر مادّہ میں کشش ہے، مقناطیسیت ہے۔ مادّہ اسی کشش کی

وجہ سے انسان کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔اور مادّی ڈور جاری و ساری ہے۔ مادّے میں چونکہ بہت اجزاء ہیں اس لئے لازمی ہے کہ ان کی خصوصیات بھی علیحدہ علیحدہ ہونگی۔اور ان کے اثرات بھی اور جذبات بھی علیحدہ علیحدہ ہونگے۔مثلاً لالچ،حرص،طمع، جھوٹ،فریب،ظلم، نفرت،محبت،صداقت، اچھائی کا جذبہ، اللہ تعالیٰ کی پہچان، بہادری، ڈرپوک ہونا، سوچ اور سمجھ، انہی اجزاء کی کمی بیشی سے یہ جذبات کم یا زیادہ ہوتے رہتے ہیں۔اجزائے ترکیبی ہی کو کم زیادہ یا آگے پیچھے کرنے سے صورت اشکال بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔اور ایک چیز دوسری سے مختلف ہے۔انسانی اشکال بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور سوچیں بھی۔

مادہ مادے سے جنم لیتا ہے، مادہ مادے کو کھاتا ہے، مادہ سے مادے کی تباہی ہوتی ہے، مادہ مادے پر ظلم کرتا ہے اور مادہ مادے سے محبت کرتا ہے۔اسکا مطلب یہ نہیں کہ مادے کو کل سمجھتا ہوں۔ مادے کو کس نے پیدا کیا؟ مادے میں یہ ساری خصوصیات کس نے رکھیں؟ مادے کو مختلف اشکال کس نے دیں؟ مادے کو ہر وقت کون حرکت دے رہا ہے؟۔

اب ہم دوسری مخلوقات کا جائزہ لیتے ہیں۔بہت کم مخلوقات ہیں جن کو ہم جانتے ہیں۔

(1) فرشتے: اللہ تعالیٰ نے انکو نور سے بنایا ہے۔منبع نور اللہ خود ہے اسکے نور سے بنی ہوئی مخلوق بھی خالص ہوگی۔ جب ملاوٹ نہیں ہے تو گناہ نہیں کرسکتے۔ہم کہتے ہیں کہ ان میں نفس نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ ان میں ملاوٹ نہیں ہے اس لئے وہ گناہ کی طرف نہیں جاتے اپنی اپنی ڈیوٹی میں لگے ہوئے ہیں۔اور اپنا کام بطریقہ احسن انجام دے رہے ہیں۔

(2) جنات: جنات کو اللہ تعالیٰ نے آگ سے بنایا ہے۔آگ بہت سی گیسوں کا مجموعہ ہے۔ جب بہت سی گیسیں مل گئیں تو ملاوٹ ہوگئی۔اور پھر اس میں مادہ بھی کارفرما ہے اس لئے ان میں گناہ کی صلاحیت موجود ہے مادہ ہوگا تو ملاوٹ ہوگی، ملاوٹ ہوگی تو

کثافت ہوگی، کثافت ہوگی تو گناہ کی صلاحیت ہوگی۔ جب گناہ کی صلاحیت ہوگی تو جزا اور سزا ہوگی۔اسی لئے اللہ تعالٰی نے قرآن حکیم میں فرمایا کہ جنات اور انسان اکٹھے دوزخ میں ہونگے۔

(3) انسان: باقی مخلوقات جزوی طور پر مادہ سے بنی ہیں۔انسان کو مادہ کے سب عناصر کو اکٹھا کر کے بنایا گیا ہے۔مثلاً: آگ، مٹی، ہوا اور پانی۔اس لئے انسان میں ساری کثافتیں موجود ہیں۔اور گناہ بھی یہ سب مخلوقات سے زیادہ کرے گا۔سختی بھی اس میں زیادہ ہوگی اسکی جزا اور سزا بھی زیادہ ہوگی۔

۱۔ساری کائنات مادہ سے بنی ہے۔ ۲۔ساری کائنات ذی شعور ہے۔

۳۔ہر ذی شعور جو مادہ سے بنا ہے اسکو حساب دینا ہے۔ ۴۔انجام جنت یا دوزخ ہے۔

جب انسان اور جن دوزخ میں اکٹھے ہونگے تو ان میں مماثلت ہے۔جب پتھر دوزخ کا ایندھن ہونگے تو مماثلت ہے۔انسان کو برتری صرف دو باتوں میں ہے جو انسان کو افضل بناتی ہیں۔ جس چیز کے بنانے کا اللہ تعالٰی نے ارادہ کیا کُن کہا وہ چیز بن گئی۔لیکن انسان کے ساتھ ایسے نہیں ہوا۔انسان کے بت کو اللہ تعالٰی نے خود بنایا۔اور روح جو ہے وہ حکم ربی ہے۔ یعنی بت بنانے کے بعد حکم ہوا کُن تو انسان بن گیا۔

''فاذا سوية و نفخت فيه من روحي فقعوله سجدين''

ترجمہ! پھر جب ٹھیک کروں انسان کو یعنی انسان مکمل ہو جاوے اسکے بعد پھونک دوں اسکو اپنی روح (جان) سے تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں۔

پھر فرمایا: "اذ قال ربک للملٰٓئکة انی خالق بشرً من طین ٥فاذ سوية ونفخت فيه من روحي فقعو له سجدين" (سورہ ص آیت 71،72)

ترجمہ !"جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان مٹی کا۔پھر جب

ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی روح میں سے تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدے میں"۔

ان دونوں آیتوں کا متن تقریباً ایک ہی ہے لیکن ایک خفیف سا امتزاج ہے وہ یہ کہ روح حکم ربی ہے حکم تو کن ہے اور کن کہنے کے بعد انسان تو مکمل ہوگیا۔ اسکے بعد انسان کو اپنی روح سے پھونکا گیا۔ اللہ تعالٰی نے اپنی ذات بحت کا کچھ حصہ جس کو اپنی جان یا روح کہا گیا ہے، بطور رخاص انسان میں پھونک دیا۔ اسکے بعد فرشتوں کو حکم ہے سجدہ میں گر پڑنے کا۔ یہی میرے نزدیک امانت ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے انسان بڑا ظالم اور احمق ہے پھر یہ اشرف المخلوقات کیسے ہوگیا۔ اسکو دو چیزیں ممتاز کرتی ہیں۔

(۱) ساری کائنات کی ہر چیز کو کہا کن اور بن گئی لیکن انسان کو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اپنے ہاتھوں سے بنانے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں جب شیطان کو رد کیا گیا تو اللہ تعالٰی نے حیران کن لہجہ میں فرمایا کہ میں نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور تم نے اس کو سجدہ نہیں کیا۔ اندازہ لگائیں کہ یہ کتنی بڑی سعادت ہے۔

(۲) دوسرے اسکو اپنی جان یا روح سے پھونکا اور کسی تخلیق کو یہ سعادت بھی حاصل نہیں ہے۔ ان دو خصوصیات کی وجہ سے انسان سب مخلوقات سے ممتاز ہے اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جتنا مادہ بطور جسم انسان کو الاٹ ہوا تھا یا ہوا ہے اس کو اللہ اور اسکے رسولوں کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق چمکاتا، پالش کرتا، صاف کرتا اور پاک و لطیف کر کے اللہ کے حضور پیش کرتا اور سرخرو ہو جاتا۔ لیکن یہ ظالم اس لئے ہوا کہ اس نے اس امانت کا پاس نہیں کیا اللہ کو اپنے اندر موجود نہیں سمجھا اسکی بطور رخاص موجودگی میں یہ سارے برے کام کرتا ہے دوزخ کا مستحق ہے اس لئے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اس لئے ظالم ہے۔

تصوّف اور اُس کے اعمال واشغال کے متعلق بعض شکوک وشبہات کا جواب

(از جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی)

تصوف اور اُس کے اعمال واشغال کے متعلق جو شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اُن کی حسبِ ذیل دو بڑی قسمیں کی جاسکتی ہیں:۔

۱۔ پہلی قسم ان شکوک وشبہات کی ہے جو رسمی خانقاہوں اور رسمی سجادہ نشینوں کو دیکھ کر یا اُن کے ہفوات سُن کر پیدا ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ جس شخص کو کتاب وسنت کی ادنیٰ واقفیت بھی ہے وہ معمولی غور وفکر کے بعد سمجھ لے گا کہ یہ سب فریب ہے۔اور حقیقت اس سے بہت دور ہے۔

۲۔ دوسری قسم ان شکوک شبہات کی ہے جو علمی طور پر پیش آتے ہیں اس قسم کے شبہات زیادہ تر اُن لوگوں کے دماغوں میں پیدا ہوتے ہیں جن کو نہ محققین صوفیہ کی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا ہے اور نہ اپنے زمانہ کے محققین سے سابقہ پڑا ہے۔وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف فلسفہ اشراق، جدید افلاطونی الٰہیات اور ہندو جوگ سے ماخوذ ہے حالانکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔

فلسفۂ اشراق اور ہندو جوگ میں چند ریاضتوں اور مجاہدوں کے سوا کیا ہے؟ وہ انہیں مجاہدوں اور محنتوں کو مقصودِ حقیقی جانتے ہیں اور اس کے برعکس ہمارے صوفیہ صافیہ اُن ریاضتوں اور مجاہدوں کو جن کے ساتھ اتباعِ شریعت نہ ہو کوئی وقعت نہیں دیتے ہیں۔حضرت مجدد الف ثانیؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔"وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو تقلیدِ سنت سے الگ ہو کر

اختیار کئے جائیں، معتبر نہیں ہیں، اس لیے کہ جوگی اور ہندوستان کے براہمہ اور یُونان کے فلاسفہ بھی ان کو اختیار کرتے ہیں اور یہ ریاضتیں ان کی گمراہی میں اضافہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتی ہیں۔'' (جلد اوّل مکتوب دوصد و بست و کیم)

مرشد العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ایک کرامت نامہ کے چند الفاظ غور سے سننے کے قابل ہیں:۔''اور بعض جہلاء جو کہہ دیتے ہیں کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے، محض اُن کی کم فہمی ہے، طریقت بے شریعت خدا کے گھر مقبول نہیں، صفائی قلب کفار کو بھی حاصل ہوتی ہے۔قلب کا حال مثل آئینہ کے ہے، آئینہ زنگ آلود ہے تو پیشاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے اور گلاب سے بھی صاف ہو جاتا ہے، لیکن فرق نجاست اور طہارت کا ہے۔ولی اللہ کو پہچاننے کے لیے اتباعِ سُنت کسوٹی ہے، جو متبع سُنت ہے وہ اللہ کا دوست ہے اور اگر مبتدع ہے تو محض بے ہودہ ہے، خرقِ عادات تو دجال سے بھی ہوں گے۔'' (رجوم المذنبین ص ۱۲۹)۔

تصوف کی مشہور و متداول کتابیں سامنے رکھئے:۔مثلاً کتاب اللمع، تعرف رسالہ قشیریہ، عوارف، فتوح الغیب، احیاء العلوم، مدارج السالکین، ان کتابوں کے صرف ابواب پر نظر ڈال لیجئے۔اور فیصلہ کیجئے کہ ان کتابوں میں توحید اور اُس کے احوال، اتباعِ سُنت، عبادات کی خشوع و خضوع کے ساتھ ادائیگی معاملات کی صفائی اور تصفیہ اخلاق کے سوا کیا ہے؟

بے شُبہ تصوف کی بعض کتابوں میں کچھ ایسے مضامین بھی آگئے ہیں جن سے بعض طبائع کو وحشت ہو سکتی ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ مضامین تصوف کے اصول و مقاصد سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔اگر کسی کی فہم اُن کو نہیں قبول کرتی ہے تو اُن کو چھوڑ دے، اسی طرح اگر خلافِ شریعت کوئی بات نظر آئے، تو اُن کی وہی حیثیت سمجھے جو کتبِ تفسیر میں اسرائیلیات

، یا کُتبِ احادیث میں موضوعات کی ہے۔اب اسرائیلیات یا موضوعات کی وجہ سے کتب تفسیر و احادیث سے تو قطع نظر نہیں کی جا سکتی ہے۔جس طرح محققین کُتب تفسیر وحدیث میں اغلاط کی تصحیح کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح محققین صوفیہ بھی اپنے فن میں صحیح کو سقیم سے اور درست کو غلط سے الگ کرتے ہیں،کوئی وسیع النظر اس سے انکار نہیں کرسکتا ہے۔

مثال کے طور پر مولانا اسمٰعیل شہید کی ''صراط مستقیم''ہی کو دیکھئے کہ اُس میں اسی قسم کی بدعات پر متنبہ کرنے کے لیے پورا ایک باب موجود ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات جلد سوم میں شیخ روزبہان بقلی کی کتاب ''تبیین غلطات المتصوفہ'' کا ذکر موجود ہے جو اسی عنوان پر ہے۔(مکتوب ہشتادونہم)

تصوف اور اُس کے اعمال واشغال کے متعلق شکوک وشبہات کے حل کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خود محققین صوفیہ سے تصوف اور اس کے اعمال واشغال کی حقیقت اور مقصد کو سُن لیا جائے اور پھر غور کیا جائے کہ شریعت تصوف کے مقصد سے کیا کچھ سوا چاہتی ہے؟اور کیا تصوف شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کے سوا اور کوئی چیز ہے؟

تصوف کی مستند اور مشہور کتاب احیاء العلوم کی شرح ''اتحاف السادۃ المتقین '' میں ہے:۔''بس تصوف کا مقصد اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے علم ویقین تک پہنچا جائے۔''(ص ۳۹)

حضرت مجدد الف ثانیؒ ملا حاجی محمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں:۔''شریعت کے تین حصے ہیں:۔علم،عمل،اخلاص،جب تک یہ تینوں اجزاء متحقق نہ ہوں،شریعت متحقق نہیں ہوتی ہے۔جب شریعت متحقق ہو جاتی ہے،حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جاتی ہے جو کہ تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔طریقت وحقیقت جس سے کہ صوفیہ ممتاز ہوئے ہیں

دونوں (شریعت کے تیسرے حصے) یعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس ان دونوں (یعنی طریقت وحقیقت) کی تحصیل صرف شریعت کی تکمیل کے لیے کی جاتی ہے۔ احوال ومواجید اور علوم ومعارف جو اثناء راہ میں حاصل ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں ان سب سے گزر کر مقامِ رضا تک پہنچنا چاہیے جو کہ سلوک کا آخری مقام ہے۔ اس لیے طریقت وحقیقت کی منزلوں کو طے کرنے کا مقصد تحصیل اخلاص کے سوا کچھ نہیں اخلاص ہی سے مقامِ رضا حاصل ہوتا ہے، کوتاہ اندیش احوال ومواجید کو مقصود اور مشاہدات وتجلیات کو مطلوب جانتے ہیں اور کمالاتِ شریعت سے محروم ہیں۔ بے شبہ مقامِ اخلاص کا حصول اور مرتبۂ رضا تک وصول ان احوال ومواجید کو طے کرنے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی حیثیت مقصودِ حقیقی کے معاون کی ہے۔ یہ بات اس فقیر پر بصدقہ حبیب خدا ﷺ اس راہ میں دس برس گزارنے کے بعد واضح ہوتی ہے۔

مکتوب چہلم میں صراحت سے ارشاد فرماتے ہیں: ”مخدوما! منازلِ سلوک طے کرنے اور مقاماتِ جذب قطع کرنے کے بعد یہی معلوم ہوا کہ اس سیر وسلوک کا مقصد مقامِ اخلاص کی تحصیل ہے۔“ (جلد اوّل)

مقصود دوصد وہفتم (جلد اوّل) میں ارشاد ہے: ”طریقِ صوفیہ کے سلوک کا مقصد صرف یہ ہے کہ معتقداتِ شرعیہ کا یقین بڑھے، نیز احکامِ فقہیہ کے ادا میں آسانی ہو۔“

”انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ“ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”اور مقصود صوفیہ کے طریقہ علیہ کا مشاہدہ حق کا حصول ہے۔ ”**کانک تراہ**“ اور اس حضور کا نام انہوں نے مشاہدہ بالقلب رکھا ہے۔“ (ص ۳۹)

”القول الجمیل“ میں ہے: ”مشائخ کے تمام طریقوں کا مرجع یہ ہے کہ ایک ہیئت نفسانیہ

حاصل ہوجائے، جس کو وہ نسبت کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ارتباط وانتساب ہے اور اس کو سکینہ اور نور بھی کہتے ہیں۔‘‘

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:۔ ’’جب بندہ طاعات، طہارات اور اذکار پر مداومت کرتا ہے تو نفس ناطقہ میں ایک صفت قائم ہو جاتی ہے اور اس توجہ کا ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔‘‘ (القول الجمیل)

حضرت شاہ مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ صراط مستقیم میں تحریر فرماتے ہیں:۔

’’جاننا چاہیے کہ اولیاء اللہ کے ہر طریقہ میں مجاہدات، ریاضات اذکار، اشغال اور مراقبات مقرر ہیں۔ ان امور میں سے ہر ایک طالب کے اندر ایک اثر پیدا کرتا ہے جس کے سبب سے طالب کو عالم قدس سے ربط پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی کو صوفیہ کی اصطلاح میں نسبت کہتے ہیں۔‘‘ (ص ۱۶۵)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی جامع کمالات ہستی ابھی قریبی زمانے میں گزری ہے۔ اُن کے ارشاداتِ عالیہ بھی سُن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں:۔ ’’پس ہستی مطلق کو ہر دم خیال میں پرورش کرنا اور بلا کیف حاضر و موجود جان کر حیاء شرم کے ساتھ بندہ (کا) مطیع رہنا مقصدِ اصلی ہے اور یہی احسان ہے باقی زوائد۔‘‘ (مکاتیب رشیدیہ: ص ۲۰)

’’سلوک سلوک صحابہ وتابعین میں تحصیل احسان اور اپنا بندہ ناچیز نے اختیار رہنا اور **من کل الوجوہ** محتاج ذاتِ غنی کا اور حضور اس کردگارِ بے نیازِ مُحسنِ عباد کو ہوتا تھا، بندگی در بندگی، عجز در عجز، توکل در توکل، ہمتِ اطاعت و جان و مال بازی فی رضاء المولیٰ اس کا ثمرہ تھا۔‘‘ (ص ۲۰)

’’اصل الاصول اور اصل مقصود و مامور سلوک صحابہ کرامؓ ہے۔ اس میں بحث بندگی

ہے اور ایمان بالغیب کے کالمشاہد ہو جانے سے اور حُسنِ اخلاق سے ہے۔" (ص ۳۲)

"مقصد جُملہ اشغالات و مطلب و منتہیٰ جملہ مراقبات کا وہ حضورِ قلب بے کیف ہے کہ حق تعالٰی نے آپ کو نصیب فرمایا، نسبتِ صحابہ کرامؓ یہی حضور تھا۔" (ص ۴۵)

"برادر! یہ تمام شریعت کا علم اور طریقت کا طریقہ نورِ یقین کی تحصیل کے واسطے ہے اور انجام و منتہیٰ سب کا یہی تو ہے کہ جس کو مسلمان سرسری طور سے علم رکھتے ہیں۔ وہ یقین حق یقین، مثل مشاہدہ کے ہو جائے، یہ انتہاب طُرق کی ہے۔" (ص ۸۰)۔

"اور وہ کیفیت کہ اپنے آپ کو روبرو مالک معبود کے جانے، اور شرم و حیا طاری ہو جائے، اس کا نام حضور اور یادداشت ہے، اس کو لسانِ شرع میں احسان کہتے ہیں اور یہی نسبتِ معتبرہ ہے کہ مسلسل چلی آتی ہے۔" (ص ۹۰)

سطورِ بالا میں محققین صوفیہ کے چند ارشارات پیش کیے گئے ہیں، ورنہ اس مفہوم کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ بہر حال یہ چیز تو ظاہر ہو گئی کہ تصوف تحصیلِ اخلاص و یقین کے سوا اور دوسری کوئی چیز نہیں ہے اور اخلاص و یقین کے مطالبہ سے قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) کے دفاتر بھرے پڑے ہیں۔

اب تصوف کے اعمال و اشغال یعنی اس اخلاص و یقین کی تحصیل کے ذرائع و وسائل کا مسئلہ باقی رہا، تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کو حضرت نبی کریم ﷺ کے فیضِ صحبت کی وجہ سے ان وسائل و ذرائع کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی جو بعد کے لوگوں کو پیش آئی۔ وہاں نبوت کا آفتابِ عالم تاب موجود تھا وہ شمع و فانوس کی فکر میں کیوں پڑتے؟

حضرت مجددؒ نے خُوب ارشاد فرمایا: "بدن کے قرب کا دلوں کے قرب پر بڑا اثر پڑتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ کوئی ولی صحابیؓ کے مرتبے کو نہیں پہنچتا ہے۔'' (مکتوبات جلد اول :ص ۲۰۵)

حضرت قاضی ثناءاللہ صاحبؒ ''ارشاد الطالبین'' میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

''اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہؓ غیر صحابہ سے افضل ہیں، حالانکہ علم وعمل میں صحابہؓ اور غیر صحابہ مشارکت رکھتے ہیں۔اس کے باوجود حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صحابہؓ نے راہِ خدا تعالیٰ میں جو نصف صاع جو خرچ فرمایا ہے اگر دوسرا اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو دونوں برابر نہیں ۔یہ فرق ان باطنی کمالات کی بناء پر ہے جو اُن کو حضرت رسول کریم ﷺ کے فیضِ صحبت سے حاصل ہوئے تھے۔'' (ص ۴)

حضرت نبی کریم ﷺ کے فیضِ صُحبت کے سوا حضراتِ صحابہ کرامؓ اور دوسرے طریقوں سے بھی اس نورِ اخلاص و یقین کو حاصل فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں:۔

''میرا گمانِ غالب ہے کہ صحابہ کرام نسبت کو اور طریقوں سے بھی حاصل فرماتے تھے۔ مثلاً نماز و تسبیحات پر اُن کے شرائط کے ساتھ مواظبت، طہارت اور یادِ موت اور عذاب وثواب کے خیال پر مداومت! ان چیزوں سے مادی لذتوں سے بے تعلقی پیدا ہوتی ہے۔اسی طرح یہ حضرات قرآن کی تلاوت اس میں تدبر، وعظ اور زہد و رقاق کی احادیث کے سُننے پر مواظبت فرماتے تھے اور اُس سے اُن کو ایک ملکہ راسخہ اور ہیئت نفسانیہ حاصل ہوتی تھی۔'' (القول الجمیل)

اس سلسلے میں ایک اہم معاملہ کی طرف بھی اشارہ کرنا ہے جس پر حضرت مجدد صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ نے متنبہ فرمایا ہے، اس کی تشریح و تفصیل کا موقع نہیں ہے، تاہم ممکن ہے کہ اہلِ ذوق اس سے مطمئن ہوں۔حضرت مجدد صاحبؒ سے دریافت کیا گیا کہ:۔

''فنافی اللہ اور بقاباللہ اور جذب وسلوک کے تمام مقامات کے طے کرنے کے بعد جو قُربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے، حضرات صحابہ کرامؓ جو حضورﷺ کی ایک صحبت کی بناء پر تمام اولیائے اُمت سے افضل قرار پائے۔ کیا اُن کو محض اسلام قبول کرنے سے یہ سیر سلوک فیضِ صحبت سے حاصل ہو گیا تھا؟ اُن حضرات کو علمِ جذب وسلوک حاصل تھا، یا نہیں؟ اگر حاصل تھا تو اُس کا کیا نام تھا؟ اور اگر نہیں حاصل تھا، تو کیا اُس کو بدعتِ حسنہ کہہ سکتے ہیں؟''

اب مجدد صاحبؒ کا جواب سُنئے:۔

''اس اشکال کا حل صحبت سے تعلق رکھتا ہے، وہ بات جو اس مُدت میں کسی نے نہیں کہی۔ ایک مرتبہ لکھنے سے کیسے سمجھ میں آ سکتی ہے، لیکن جب دریافت کیا گیا تو اب جواب سے چارہ نہیں۔ اس لیے مختصر طور سے لکھا جاتا ہے:۔

وہ قربِ خداوندی جس کا تعلق فناء وبقاء اور سلوک وجذب سے ہے، قربِ ولایت ہے، اولیائے اُمت اس سے مشرف ہوئے ہیں۔

اور جو قرب کہ صحابہ کرامؓ کو حضورﷺ کی صُحبت میں حاصل ہُوا وہ قُربِ نبوّت ہے، اس قرب میں نہ فنا ہے نہ بقاء نہ جذب ہے نہ سلوک، اور یہ قرب قربِ ولایت سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہ قربِ حقیقی ہے اور وہ قربِ ظلی ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے، مگر ہر شخص کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی ہے، خواص بھی اس موقع پر عوام کے مشابہ ہیں۔

گر بو علی نوائے قلندر نواختے!

صوفی بدے ہر آنکہ بہ عالم قلندر راست

کمالاتِ قربِ نبوت اگر قربِ ولایت کے راستے سے طے ہوتے ہیں تو فناو بقاء اور جذب وسلوک سے چارہ نہیں اور اگر اس راستے سے کمالاتِ قربِ نبوت نہ حاصل کئے

جائیں،تو فنا وبقا اور جذب وسلوک کی ضرورت نہیں ہے! صحابہ کرامؓ نے قربِ نبوت کے راستے سے منزل طے کی ہے۔جذب وسلوک اور فناء وبقاء سے ان کو کام نہ تھا۔''
(مکتوبات جلد اول مکتوب سہ صد و سیز دہم)۔

حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ ''صراط مستقیم'' میں ارشاد فرماتے ہیں:۔''ایک باریک نکتہ جس سے اہل زمانہ ناواقف ہیں حبِ نفسانی اور حبِ عقلی کے درمیان تمیز کرتا ہے، حُبِ نفسانی مبادی سلوک کے واردات میں سے ہے اور حُبِ عقلی کمالات انبیا کرام اور مقاماتِ اولیاء عظام میں سے ہے۔اکثر عوام صوفیہ نے حُبِ نفسانی کو حُبِ عقلی کی جگہ دے رکھی ہے اور اس کو اشاراتِ شرعیہ کا مشار الیہ جانتے ہوئے حضراتِ انبیاء و اولیاء کے سلوک کو اہلِ عشق ومواجید کے احوال سے تطبیق دینا چاہتے ہیں اور لاحاصل تشویشات میں پڑتے ہیں۔'' (ص ۴)

اصل مقصود یہی سلوک راہِ نبوت ہے، مگر چونکہ سلوک راہِ ولایت سے سلوک راہِ نبوت آسان ہو جاتا ہے۔اس لیے سلوک راہِ ولایت کو اختیار کیا جاتا ہے حضرت شہیدؒ فرماتے ہیں:۔

''حصول نسبت ولایت سلوک راہِ نبوت کو آسان کر دیتا ہے۔اور جس کو نسبت ولایت حاصل ہوتی ہے وہ نسبت نبوت کو تھوڑی محنت میں حاصل کر لیتا ہے۔''(''صراطِ مستقیم''،ص ۸)

اب تصوف کے اُن اعمال واشغال کا مسئلہ باقی رہا، جن کی ضرورت عہدِ نبوت سے دُوری اور ماحول کی ناسازگاری کے باعث متاخرین کو پیش آئی۔اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ ان اعمال واشغال میں ذکر وفکر یہ دو چیزیں بُنیادی ہیں اور یہ دونوں چیزیں ماموراتِ شرعیہ میں سے ہیں۔بحث جو کچھ ہے وہ ذکر وفکر کے طریقوں،وضعوں اور قیود میں ہے! تو خُوب سمجھ لیجیے کہ ذکر وفکر کے یہ قیود،طرق اور اوضاع صرف تدبیر و معالجہ کی حیثیت

رکھتے ہیں ۔''ایضاح الحق الصریح''میں مولانا اسمٰعیل صاحب شہید فرماتے ہیں:۔''صُوفیہ کے نفع بخش اشغال کی حیثیت دوا و معالجہ کی ہے کہ بوقتِ ضرورت ان سے کام لے اور بعد کو پھر اپنے کام میں مشغول ہو۔''(ص ۴۸)

معالجے کے یہ طریقے حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں ۔''صراط مستقیم'' میں ہے:۔''ہر وقت اور ہر قرن کے اشغال جُدا ہوتے ہیں ۔اس لیے ہر طریق کے محققین تجدید اشغال کی کوشش فرماتے رہتے ہیں۔''(ص ۷)

اسی لیے محققین نے تصریح فرمادی ہے کہ:۔''یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ نسبت بجز ان اشغال کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہوتی ہے''۔(القول الجمیل)

بلکہ اگر ان طرق و اوضاع اور اعمال و اشغال کو کوئی مقصود جانتا ہے تو یہ حضرات اس پر سخت انکار فرماتے ہیں ۔''ایضاح الحق الصریح'' میں ارشاد ہے :۔''وظائف و اذکار، ریاضات، خلوت، چلّہ کو مقرر کرنا ، ذکر جہری اور ذکر خفی کی وضعوں کو مقرر کرنا، ضرب عدد اور مراقبہ برزخیہ کا مقرر کرنا ، اگر طالب ان سب کو اصل کمال شرعی یا مکملات میں سے جانتا ہے تو یہ سب بدعتِ حقیقیہ ہیں، لیکن خواص جو اس کو صرف وسائل و ذرائع جان کر رواج دیتے ہیں، اُن کے حق میں بدعتِ حکمیہ ہیں، اور اخص الخواص جو ان چیزوں سے بوقتِ ضرورت کام لیتے ہیں اور پھر کام نکلنے کے بعد چھڑا دیتے ہیں اُن کے حق میں یہ بدعت نہیں ہے''۔(ص ۳۷)

محققین صُوفیہ ان اشغال و اعمال سے کس طرح کام لیتے ہیں اور پھر کس طرح ان سے الگ کر کے اصل مقصود میں لگا دیتے ہیں ۔اس کو جاننے کے لیے صرف مکاتیب رشیدیہ میں سے حضرت گنگوہیؒ کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:۔

''ذکر کے نُور کا ملاحظہ جو ابتداء میں تلقین ہوتا ہے، وہ مقصدِ اصلی نہیں بلکہ تمہید ہوتا ہے۔'' (ص ۱۵)

''پاس انفاس وغیرہ سب حیل اس کے ہیں کہ ذکر مخیلہ میں قائم ہو جائے ورنہ اصل مقصود نہیں، جب خیالِ ذکرِ ذات قائم ہو جائے تو زبان اور انفاس کسی کی ضرورت نہیں''۔ (ص ۱۶)

''ذکر جہری کی اب کچھ حاجت نہیں، ذکر اصل میں تذکرِ قلب ہے سو جب ذکرِ قلبی حاصل ہوا، اب زبان کی کچھ ضرورت نہیں۔'' ''سب اذکار و مراقبات تحصیل نسبت کے واسطے ہیں، جب نسبتِ یادداشت حاصل ہو چکی اب مراقبات کی درخواست عجیب بات ہے، اب تمہارا سب ذکر لسانی بقرآن و صلوٰۃ و ذکرِ مسنون مراقبہ ہے، سب میں یادداشت ہے کہ ثمرۂ مراقبات یہی ہے، اب کسی مراقبہ کی حاجت نہیں، اذکارِ مسنونہ پڑھو، قرآن و نوافل صلوات مسنونہ ادا کرو اور بس۔'' (ص ۲۱)

''ضرورتِ تعین شغل کی بلندی کے واسطے ہوتی ہے، منتہی اپنے اختیار میں ہوتا ہے، جس امر سے مطلب برآمد ہو وہی کرے، نہ اُس کو قید ذکرِ زبانی کی ہے، کوئی ذکر ہو، نہ کسی تصورِ خیال کی غرض کام سے ہے۔'' (ص ۲۸)

''الحاصل اگرچہ یہ قوتِ تاثیر اور توجہ و کشف اور تصرف دنیا میں بہت ہے، مگر یہ نورِ یقین کیمیا کے نادر الوجود ہے۔ اگرچہ عالم خالی نہیں، اشغال سب اس کے مقدمات تھے۔ اب خود مقصود ہو گئے اے کاش کہ اس یقین کا شائبہ ہوا بھی اس محروم کو لگ جائے کہ سارا مدار اس پر ہی ہے، اس نسبت کا نام نسبتِ احسان ہے کہ بعثتِ جناب فخرِ رسل (علیہ السلام) کی اس کے ہی واسطے تھی اور صحابہ جملہ اسی نسبت کے حامل تھے۔ اعلیٰ حسبِ مراتبہم پھر اولیائے اُمت نے دوسرے طریقے سے پیدا کیا کہ ہر ایک نے اشغال اپنے اپنے طریقے کے وضع کئے، سو یہ سب

مقدمات اس کے ہیں اور بس! اس کا کوئی طریق معین نہیں، ہر شخص کا طرز جداگانہ ہے۔" (ص ۸۱)
تصوف کا مقصد اور اس کے اعمال و اشغال کی حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد عرض ہے کہ اگر کوئی خوش نصیب ایسا ہے کہ اس کو کسی ریاضت و مجاہدہ کے بغیر اخلاص و احسان کا مرتبہ حاصل ہو گیا ہے تو وہ بہت ہی مُبارک ہے، ورنہ قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کو جس چیز سے خود نفع ہوتا ہے اُسی کو وہ دوسروں کو بتلاتا ہے۔ اہلِ اللہ کی بڑی جماعت (جن کے صدق و اخلاص پر سب کو اتفاق ہے) خبر دیتی ہے کہ ذکر و فکر ہی کی راہ سے اُن کو اخلاص و یقین کی دولت حاصل ہوئی۔

من نہ تنہا دریں میخانہ مستم! جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ ہم مست

اس لیے اگر کسی کو ان کیفیاتِ مطلوبہ کی ضرورت و تلاش ہے تو وہ اس راہ کو اختیار کرے۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد
اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ یہ راہ بحث و نظر کی نہیں، بلکہ جد و جہد اور عمل کی ہے۔ راقم سطور نے کئی برس ہوئے ایک جلیل القدر شیخِ وقت (جو بحمد اللہ اب بھی اپنے فیوض و برکات کے ساتھ موجود ہیں) کی خدمت میں عرض کیا کہ:۔

"تصوف پر پڑھنے کے لیے کوئی کتاب تجویز فرما دی جائے۔" جواب میں ارشاد فرمایا کہ "یہ راہ مطالعہ سے نہیں، بلکہ مجاہدہ سے طے ہوتی ہے۔" پھر ارشاد فرمایا کہ:۔

"اگر پڑھنا ہی ہے تو شاہ اسمٰعیل شہید صاحبؒ کی "صراطِ مستقیم" پڑھیئے۔ بہر حال گزارش کا مقصد یہ ہے کہ اگر دل میں جستجو ہے تو کسی صاحبِ کمال کے مشورہ سے کچھ کیجیے۔

قال را بگذار و مرد حال شو!
پیش مردے کاملے پامال شو!

کسی اور مقصد سے نہیں ،تو تجربہ کرکے دیکھئیے ۔اگر کسی صاحبِ کمال کی صحبت ،یا اُس کے بتلائے ہوئے طریقے پرعمل کرنے سے حق تعالیٰ کا تعلق بڑھتاہُوامحسوس ہو،ایمان میں تازگی کے آثار پائے جائیں تو فبہا،ورنہ جہاں زندگی میں اچھے اور بُرے بہت تجربے ہوتے ہیں ۔اس کوبھی ایک ناکام تجربہ سمجھ کرچھوڑ دیجئے گا

اے بےخبر بکوش کہ صاحب خبر شوی

تا راہ بیں نہ باشی کے راہ بر شوی

در مکتبِ حقائق پیشِ ادیب عشق

ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

دعائے مغفرت

خوشاب سے محمد ریاض کی پھوپھو

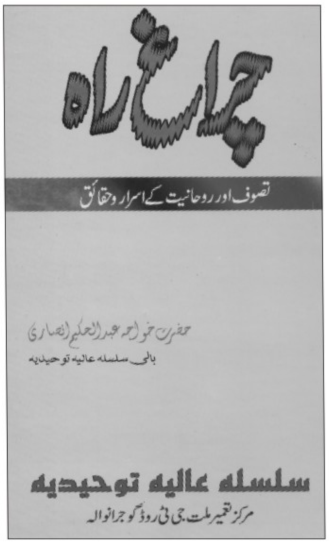
ملتان سے محمد عاصم بخاری کے بھائی

بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)

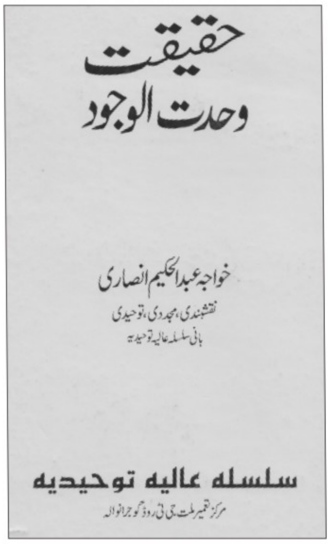
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

نوٹ: مجلّہ اکتوبر 2024 میں جو اطلاع لکھی گئی اس میں عبدالرشید ساہی کی زوجہ اللہ کو پیاری ہوگئی ہیں سہواً لکھا گیا جبکہ ان کی زوجہ نہیں،ان کی والدہ کا انتقال ہوا تھا۔ادارہ معذرت خواہ ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

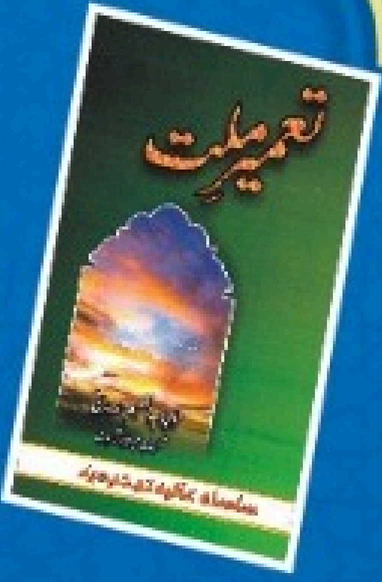


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

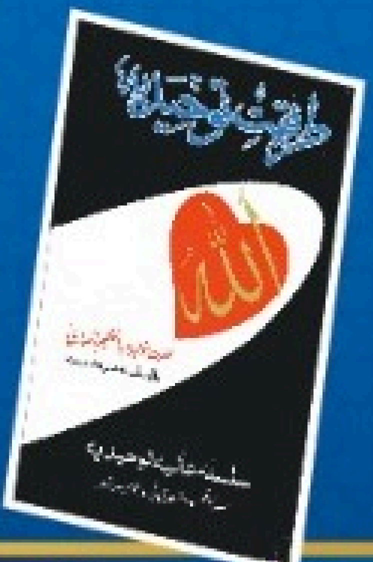


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

سلسلہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال
وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی
طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح
پیدا ہوتا ہے؟ عالمِ روحانی کی تشریح، جنت ودوزخ کا محلِ وقوع اور ان
کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں
آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب
کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امتِ مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے
ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور
عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو
لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی
چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔
اس میں وہ تمام اوراد واذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر
کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت،
حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com